الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی و علمی ترجمان

ماہ نامہ

اشرفیہ

مبارک پور

جنوری
2026

حافظِ ملّت کی شخصیت میں وہ جامعیت تھی کہ ایک ماہر استاد، کامل مرشد اور دیانت دار منتظم کی تمام خوبیاں اپنے اندر سمیٹے ہوئے تھے وہ صرف اشرفیہ کے سرپرست و مربّی نہ تھے بلکہ پوری امت مسلمہ کے خیر خواہ تھے ان کے نزدیک علم کا اس وقت مکمل ہوتا ہے جب وہ انسان کے اخلاق اور امت کی بھلائی میں ڈھل جائے، اسی لیے وہ اپنے شاگردوں اور اساتذہ تک محدود نہ رہے، بلکہ عوام الناس کے دکھ درد میں شریک رہنا ان کی سیرت کا مستقل شعار تھا۔ بقول حضرت مولانا مسعود احمد برکاتی:

"انھیں صرف اشرفیہ کا نہیں بلکہ پوری امت مسلمہ کا بے پناہ خیال تھا۔"

یہی وہ روحانی وسعت تھی جس نے اشرفیہ کو محض ادارہ نہیں بلکہ ایک تحریک اور محض ایک فرد کا نہیں، بلکہ پوری امت کا سرمایہ بنا دیا۔

حافظِ ملّت نے جب اس درس گاہ کی بنیاد رکھی تو دراصل ایک ایسی تحریک کی بنیاد رکھی جس کا مقصد علمِ نافع، اخلاقِ صالحہ اور روحانی حکمت کی نئی راہیں کھولنا تھا۔

مبارک حسین مصباحی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبد العزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی و علمی ترجمان

ماہ نامہ

اشرفیہ

مبارک پور

زیر سرپرستی

عزیز ملت حضرت علامہ شاہ

عبد الحفیظ عزیزی

سربراہِ اعلیٰ

الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

THE ASHRAFIA MONTHLY Mubarakpur. Azamgarh (U.P.) India. 276404

جلد نمبر 51 شمارہ 1 | جنوری 2026ء | رجب 1447ھ

مجلس ادارت

مدیر اعلیٰ : **مبارک حسین مصباحی**

منیجر : محمد محبوب عزیزی

تزئین کار : مہتاب پیامی

مجلس مشاورت

مولانا محمد احمد مصباحی

مفتی محمد نظام الدین رضوی

مولانا محمد ادریس بستوی

مولانا محمد عبد المبین نعمانی

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ

دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور اعظم گڑھ یو۔پی۔ ۲۷۶۴۰۴

+91 9935162520 (Manager)

زرِ تعاون

قیمت عام شمارہ: 30 روپے

سالانہ (بذریعہ سادہ ڈاک) 300 روپے

سالانہ (بذریعہ رجسٹری) 600 روپے

سری لنکا، بنگلا دیش، پاکستان، سالانہ

750 روپے

دیگر بیرونی ممالک

$25 امریکی ڈالر   £20 پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org

Email : ashrafiamonthly@gmail.com
mubarakmisbahi@gmail.com
info@aljamiatulashrafia.org

BHIM

BHIM UPI Payments Accepted at

ASHRAFIA MONTHLY

ASHRAFIA MONTHLY
A/c No. 3672174629
Central Bank Of India
Branch : Mubarakpur IFSC : CBIN0284532

اکاؤنٹ میں رقم جمع کرنے کے بعد آفس کے نمبر پر فون کریں یا بذریعہ ڈاک مطلع کریں۔ (منیجر)

مولانا محمد ادریس بستوی نے فیضی کمپیوٹر گرافکس، گورکھ پور سے چھپوا کر دفتر ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

مشمولات

اداریہ		اکیاون ویں عرس عزیزی کی فکری بازگشت	مہتاب پیامی	5
قرآنیات	تفہیم قرآن	چاند اور سورج کا ایک حساب ہے	مولانا محمد حبیب اللہ بیگ ازہری	8
فقہیات	آپ کے مسائل	حضور زندہ ہیں تو انھیں دفن کیوں کیا گیا؟	مفتی محمد نظام الدین رضوی	10
تحقیقات	جستجو	سنن ترمذی میں تحریف کی ایک مثال	محمد رضوان طاہر فریدی	13
نظریات	فکر امروز	سب کچھ وقت کے گرداب میں گم ہو جائے گا!	حافظ افتخار احمد قادری	17
اسلامیات	شعاعیں	تحفظ ختم نبوت (آخری قسط)	مبارک حسین مصباحی	19
شخصیات	انوار حیات	مفکر اسلام علامہ قمر الزماں اعظمی (آخری قسط)	مولانا محمد فروغ القادری	24
سیاسیات	آئینۂ عالم	سوڈان کی خانہ جنگی	محمد فداء المصطفیٰ قادری	29
تاریخیات	یاد ماضی	ترکستان شرقیہ	محمد سہیل	33
طبیات	حفظان صحت	پورن ایڈکشن کی تباہ کاریاں	حکیم محمد نیاز احمد	35
بزم خواتین	چراغ خانہ	ناقص تصور دین: مسلم لڑکیوں کے ارتداد کا سبب	عبد الغفار صدیقی	37
بزم دانش	فکر و نظر	خواتین اسلام کا ارتداد	* انیس الرحمٰن حنفی رضوی * محمد عامر حسین مصباحی	39
ادبیات	گوشۂ ادب	مشعلِ تنویر — ایک جائزہ	سید محمد مجیب الحسن توّابی	45
	نقد و نظر	رسائل تصوف - ایک جائزہ	مفتی محمد اعظم مصباحی مبارک پوری	49
مکتوبات	صدائے بازگشت	* نبیل احمد غزالی * جاوید اختر بھارتی		51
سرگرمیاں	عالمی خبریں	45ویں امام احمد رضا کانفرنس 2025 کراچی		53
	خیر و خبر	علی گڑھ میں تیرہویں سالانہ تعلیم اسلام کانفرنس * چاندی کا تمغہ پیش کیا گیا ہبلی میں حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کا قل شریف		55
منظومات	خیابانِ حرم	* مولانا طفیل احمد مصباحی * مولانا محمد زبیر القادری مصباحی * نعمان رضا اظہر		58

اداریـــــــہ

اکیاونویں عرس عزیزی کی فکری بازگشت

مہتاب پیامی

حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان ایک ایسے جامع صفات مرشد تھے جنھوں نے محض ایک درس گاہ قائم نہیں کی، بلکہ امتِ مسلمہ کے فکری تشخص، علمی ارتقا، دینی استقامت اور روحانی بالیدگی کے لیے ہمہ جہتی تحریک کی بنیاد رکھی۔ ان کا طرزِ فکر، علمی بصیرت، اخلاص اور للّٰہیت آج بھی اشرفیہ کی دیواروں میں سانس لیتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ جامعہ اشرفیہ کی بنیاد دراصل حافظ ملت علیہ الرحمہ کی دوراندیشی، حکمتِ نظر اور امت دوستی کا اظہار تھی۔ یہ ادارہ صرف ایک مدرسہ نہیں بلکہ ایک ایسی روحانی درس گاہ ہے جہاں قرآن وحدیث کی روشنی کے ساتھ عصری شعور اور اخلاقی تربیت کے چراغ بھی روشن و تابندہ نظر آتے ہیں۔ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے اشرفیہ کے فارغین جس خلوص اور وقار کے ساتھ دین کی خدمات سرانجام دے رہے ہیں وہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کا لگایا ہوا یہ پودا ایک تناور درخت بن چکا ہے۔

حافظِ ملّت کی شخصیت میں وہ جامعیت تھی کہ ایک ماہر استاد، کامل مرشد اور دیانت دار منتظم کی تمام خوبیاں اپنے اندر سمیٹے ہوئے تھی۔ وہ صرف اشرفیہ کے سرپرست و مربّی نہ تھے بلکہ پوری امت مسلمہ کے خیر خواہ تھے۔ ان کے نزدیک علم کا اس وقت مکمل ہوتا ہے جب وہ انسان کے اخلاق اور امت کی بھلائی میں ڈھل جائے، اسی لیے وہ اپنے شاگردوں اور اساتذہ تک محدود نہ رہے، بلکہ عوام الناس کے دکھ درد میں شریک رہنا اُن کی سیرت کا مستقل شعار تھا۔ بقول حضرت مولانا مسعود احمد برکاتی: ”**انھیں صرف اشرفیہ کا نہیں بلکہ پوری امت مسلمہ کا بے پناہ خیال تھا**“۔ یہی وہ روحانی وسعت تھی جس نے اشرفیہ کو محض ادارہ نہیں بلکہ ایک تحریک اور محض ایک فرد کا نہیں، بلکہ پوری امت کا سرمایہ بنا دیا۔ حافظ ملّت نے جب اس درس گاہ کی بنیاد رکھی تو دراصل ایک ایسی تحریک کی بنیاد رکھی جس کا مقصد علمِ نافع، اخلاقِ صالحہ اور روحانی حکمت کی نئی راہیں کھولنا تھا۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے اپنے وصال سے پہلے اپنی روحانی و علمی امانت اپنے لائق فرزند حضرت عزیز ملت علامہ عبدالحفیظ عزیزی کے سپرد کی۔ حضور عزیز ملت نے نہ صرف اپنے والد گرامی کے منصوبوں کو عملی جامہ پہنایا بلکہ نئے شعبہ جات کا اضافہ کر کے اشرفیہ کے افق کو مزید وسیع کیا۔ ان کے دور میں اشرفیہ کی تعلیمی خدمات مزید ہمہ گیر اور مؤثر ہوئیں، اور جامعہ اشرفیہ ایک بین الاقوامی مرکزِ تعلیم و تربیت بن کر ابھرا۔ عصر حاضر کی متعدّد معروف یونیورسٹیوں میں جہاں جدید علوم کے مختلف شعبے قائم ہیں، وہیں اشرفیہ کا امتیاز یہ ہے کہ یہاں کے شعبہ جات خالص دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت، تحقیق، افتا اور تبلیغ کے وسیع میدانوں میں کام کر رہے ہیں۔ مختصر یہ کہ اشرفیہ کا نظم، اساتذہ کی دیانت داری، اور طلبہ کی اخلاقی و علمی تربیت ایک ایسا حسین امتزاج ہے جو اسے محض ایک ادارہ نہیں بلکہ ایک ”مدرسۂ اعتدال“ بناتا ہے۔ اشرفیہ کی ترقی، اس کی خاموشی میں چھپا ہوا وہ پیغام ہے جو علم کے وقار اور خدمت کی بلندی کو بیان کرتا ہے۔ بے شک اشرفیہ عظیم ہے مگر اس لیے عظیم نہیں کہ اس کے پاس عمارتیں یا انتظامی شعبہ جات ہیں، بلکہ اس لیے عظیم ہے کہ اس کے ہر شعبے میں اخلاص کی وہ تاب ناکی ہے جسے حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے کردار سے ثابت کیا۔

حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات وصفات کو یاد کرنے اور ان کی بارگاہ میں عقیدتوں کی نذر پیش کرنے کے لیے 22، 23 نومبر 2025 کو جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں حضرت جلالۃ العلم علیہ الرحمہ کے اکیاونویں عرسِ مبارک اور دو روزہ اجلاسِ عام کا انعقاد

نہایت تزک و احتشام کے ساتھ ہوا۔ دونوں شب کے وسیع اجتماعات میں علما، فضلا، مشایخ، مختلف خانقاہوں کے سجادگان، سیاسی و سماجی شخصیات اور ہزاروں زائرین نے شرکت کی۔ پورا کیمپس روحانیت، نظم و ضبط اور علمی جاہ و جلال کا حسین امتزاج پیش کر رہا تھا۔

پہلی شب کا اجلاس 22 نومبر 2025 بعد نمازِ عشا جامعہ اشرفیہ کے وسیع و عریض صحن میں منعقد ہوا۔ مسندِ صدارت پر مفتی بدر عالم مصباحی (صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ) متمکن تھے، جب کہ شہزادۂ حافظ ملت علامہ شاہ عبد الحفیظ عزیزی دام ظلہ العالی حسبِ سابق اپنے تمام تر روحانی جلال و جمال کے ساتھ اس تقریب کی سربراہی فرما رہے تھے، اور نبیرۂ حضور حافظ ملت مولانا محمد نعیم الدین عزیزی بحیثیت نگراں تشریف فرما تھے۔ سب سے پہلے قاری محمد معاذ مبارک پوری نے پُرسوز لب و لہجے میں کلامِ ربانی کی تلاوت سے دلوں میں گداز پیدا فرمایا۔ تلاوت کے بعد نبیرۂ سرکار مجی مفتی محمد احسن رضا رحمانی نے حافظِ ملت اور اشرفیہ کی خدمات کا جامع تذکرہ کیا۔ آپ نے فرمایا:

"حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمہ نے اشرفیہ جیسی عظیم دانش گاہ قائم فرما کر امتِ مسلمہ پر بڑا احسان کیا ہے۔ دنیا کی مشہور یونیورسٹیوں کے شعبوں کی اپنی اہمیت ہے لیکن الجامعۃ الاشرفیہ کے مختلف شعبہ جات کتنے اہم اور افادیت سے بھرپور ہیں اس کا اندازہ ان شعبوں کے فارغین سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ یہ اس درس گاہ کی عظمت ہے۔ اشرفیہ کے اساتذہ و منتظمین حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے اس قول پر قائم ہیں کہ 'ہر مخالفت کا جواب کام ہے'۔ ورنہ وہ ہر مخالفت کا جواب اپنی زبان و قلم سے دینے کی اہلیت رکھتے ہیں لیکن ان کا خاموش کردار ان کے علمی و تعلیمی کاموں کو اہم بناتا ہے۔"

رحمانی صاحب کے خطاب کے بعد اشرفیہ کے نمایاں اساتذہ و نعت خوانوں نے یکے بعد دیگرے نعت و مناقت کے نذرانے پیش کیے۔ نعت خوانوں میں بالخصوص محمد صفین رضا، ساجد رضا زنگی پوری، مولانا حیدر رضا برکاتی، مولانا منظر حسین نیپالی، معراج زمن ادروی، فیضان رضا، قاری محمد جابر مبارک پوری، سفیان نوری، دانش ندیم، محمد یعقوب بریلوی، محمد عادل مصباحی، فرقان رضا، حافظ شہباز رضا مصباحی، تبریز اکرم اعظمی، حافظ محمد عاصم اعظمی اور حافظ عبد الوکیل چھپراوی وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

جامعہ اشرفیہ کے قابلِ فخر طلبہ حافظ محمد انس، مولوی محمد سیف، مولانا فیضان رضا، مولانا نعمان ازہر سنبھلی اور مولانا محمد افضل نے مختلف علمی و سماجی موضوعات پر مدلل خطابات کیے۔ ان کے علاوہ مولانا دلکش ضیائی، مولانا محمد اذعان مصباحی مرادآباد، مولانا کمال مصطفیٰ ازہری رچھا بریلی، مفتی شہنواز عالم مصباحی ازہری کوشامبی، مولانا محمد عاقل مصباحی مرادآباد، مولانا قاری محمد شرف الدین مصباحی ممبئی، مولانا وقار احمد عزیزی بھیونڈی وغیرہ کے بھی ایمان افروز بیانات ہوئے۔

پہلی شب کے اجلاس میں ہی حضرت سربراہِ اعلیٰ دام ظلہ کے مبارک ہاتھوں سے فارغین و مصنفین کی **تقریباً پچاس کتابوں** کا اجرا عمل میں آیا۔ اجلاس کا اختتام حضرت جانشینِ حافظ ملت کے مشفقانہ اور دعائیہ کلمات پر ہوا۔

دوسری شب کا اجلاس 23 نومبر 2025 کو بعد نمازِ عشا منعقد ہوا۔ تلاوت قاری صفین رضا نے کی اور نوری میاں بنارسی نے حمد پیش کی، اس کے بعد متعدد نعت خوانوں اور خطبا نے اپنے جذبات و خیالات کا اظہار کیا۔

مولانا محمد ہاشم کانپوری نے مسلمانوں، خصوصاً خواتین کے لیے نصیحت آمیز خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"مسلمان صبر و ضبط اور حکمت سے کام لے اور اپنے دین پر مضبوطی سے قائم رہے۔ مسلم بیٹیاں اسلام کے احسانات کو یاد کریں، جو عزت و وقار اور وراثت کا حق دین اسلام نے انھیں دیا ہے اسے سمجھیں اور اسلام دشمن طاقتوں کے جال میں نہ پھنسیں، ورنہ دین بھی ہاتھ سے جائے گا اور دنیا کی عزت بھی خاک میں مل جائے گی۔"

آپ نے مزید فرمایا:

"ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کی پاکیزہ زندگی سے سبق لینے کی ضرورت ہے۔ ان شاء اللہ خوشی اور خوش

حالی کا سورج ضرور طلوع ہوگا اور اسلام کے ماننے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوگا۔"

حضرت مولانا محمد ہاشم کانپوری کے علاوہ مولانا شکیل احمد مصباحی مدھوبنی، مولانا جنید احمد مصباحی کانپوری، مولانا محمد حسن نوری گونڈوی، مولانا خالد ایوب مصباحی (راجستھان)، مفتی منظور احمد عزیزی (سلطان پور)، مولانا اللہ بخش عزیزی (راجستھان)، مفتی عبد المنان کلیمی (مرادآباد)، مولانا حافظ عبید اللہ خان اعظمی وغیرہ کے بھی خطابات ہوئے۔

11 بج کر 55 منٹ پر قل شریف کے وقت یوں محسوس ہوا جیسے ایک صدی کا فیضان ایک شب میں سمٹ آیا ہو، اور پھر اپنے سفر پر روانہ ہو کر سینکڑوں دلوں میں وہ روشنی چھوڑ گیا ہو جو آنے والی نسلوں کو منزل تک پہنچائے گی۔

مولانا محمد نعیم الدین عزیزی نے اکیاون ویں عرس میں تشریف لانے والے خانقاہوں کے سجادگان کا مختصر مگر جذباتی تعارف پیش کیا اور اشرفیہ کے ساتھ ان خانقاہوں کے گہرے روابط کا انکشاف کیا۔ بعد ازاں حسبِ سابق اہل سنت و جماعت کی دو اہم ترین شخصیات (1) حضرت سید شاہ نجیب حیدر نوری مارہروی قبلہ اور (2) حضرت مفتی احمد القادری مصباحی (امریکہ) کی بارگاہوں میں حافظ ملت ایوارڈ اور سپاس نامے پیش کیے گئے۔ الجامعۃ الاشرفیہ اور اہل سنت و جماعت کے لیے ہمہ دَم سینہ سپر پانچ اہم شخصیات؛ مولانا ملک شبیر مصباحی، مولانا قاری شرف الدین مصباحی، مولانا وقار احمد عزیزی، الحاج محمد شہنشاہ صاحب اور الحاج ریاض احمد صاحب کی خدمت میں "اشرفیہ ایوارڈ" پیش کیا گیا۔ اجلاس کے آخری حصے میں تین بزرگ سجادگان نے اپنے قیمتی تاثرات پیش کیے:

حضرت مولانا **سید اویس میاں واسطی بلگرامی** صاحب قبلہ نے فرمایا:

"اشرفیہ اہل سنت کی ناک ہے، میرا پورا خاندان اشرفیہ کے ساتھ ہے۔"

حضرت سید نجیب حیدر میاں مارہروی اطال اللہ عمرہ نے فرمایا:

"اشرفیہ تمام مدرسوں کا سردار ہے اور تمام برکاتی اشرفیہ کے لیے خون دینے کو تیار ہیں۔"

حضرت مولانا منان رضا خان بریلوی زَادَہُ اللہُ عِلماً نے فرمایا:

"ہم اشرفیہ کی نظیر نہیں پیش کر سکتے، اشرفیہ سنیت کی جان ہے۔"

جلسہ کے اخیر میں مختلف شعبوں کے فارغین کی دستار بندی کی گئی۔ **اس سال مجموعی فارغین کی تعداد 711** رہی، جن میں **314 کو سند و دستار** اور **397 کو صرف سند** عطا کی گئی۔ یہی وہ فیضانِ عزیزی ہے، یہی وہ وراثتِ حافظِ ملت ہے، اور یہی وہ روحانی روشنی ہے جس سے اشرفیہ آج بھی پوری دنیا کو روشن کر رہا ہے۔

تقریباً سوا چار بجے حضرت سربراہِ اعلیٰ کے دعا پر یہ عظیم الشان اجلاس اختتام پذیر ہوا۔ جامعہ اشرفیہ کی انتظامیہ، عرس کمیٹی، مجلسِ خیر خواہ، پولیس فورس اور مختلف تنظیموں نے امن، نظام اور وقار کا بہترین نمونہ پیش کیا۔

اصل میں **عرسِ عزیزی** محض ایک سالانہ تقریب نہیں، بلکہ روحانیت، علم، نسبت اور وفاداری کا ایسا ہمہ گیر اجتماع تھا جس نے ایک بار پھر ثابت کر دیا کہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کی علمی و روحانی وراثت آج بھی لاکھوں دلوں کی دھڑکن ہے۔ دو روزہ اجلاس کا ہر لمحہ عقیدت، ہر خطاب بصیرت، ہر نعت سُرور، اور ہر دعا ایک تازہ روحانی برسات میں شرابور۔ اشرفیہ کا یہ منظر اس حقیقت کی گواہی دے رہا تھا کہ یہ درس گاہ محض ماضی کی یاد نہیں، بلکہ حال کی توانائی اور مستقبل کی امید ہے۔ یقیناً یہ عرسِ مبارک آنے والی نسلوں کے لیے بھی ایمان، اعتدال، خدمت اور اخلاص کی ایسی روشن علامت ثابت ہوگا جس کی ضیا سے علمی قافلے ہمیشہ منور رہیں گے۔ ■■■

تفہیم قرآن

چاند اور سورج کا ایک حساب ہے

محمد حبیب اللہ بیگ ازہری

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ○ (سورہ رحمٰن:5)

یعنی چاند اور سورج کا ایک حساب ہے۔

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ چاند اور سورج ایک مخصوص حساب کے پابند ہیں، اور اسی حساب کے تحت گردش رہے ہیں، یہ جب تک اپنے حساب کے پابند رہیں گے سلامت رہیں گے اور ان کی سلامتی اہل زمین کے لیے سلامتی کی ضمانت ہوگی، اور جب یہ اپنے حساب سے آزاد ہو جائیں گے خود بھی تباہ ہوں گے اور اہل زمین کے لیے بھی تباہی کا سبب بن جائیں گے۔

اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے ہمیں آیت مبارکہ میں مذکور تینوں کلمات یعنی **الشمس**، **القمر** اور **حسبان** کو سمجھنا ہوگا، بلکہ اس سے پہلے علم فلکیات کی کچھ اصطلاحات کو بھی جاننا ہوگا، تاکہ بآسانی اس آیت کا مفہوم ذہن نشیں ہو سکے، تو آیئے ہم پہلے اصطلاحات کا ذکر کرتے ہیں، پھر موضوع کی طرف بڑھتے ہیں۔

علم فلکیات کے مطابق ہمارے نظام شمسی میں جو فلکی اجرام از خود روشن ہیں انھیں اردو میں ستارہ اور عربی میں نجم کہتے ہیں، لہٰذا سورج ستارہ ہے، اس لیے کہ وہ از خود روشن ہے۔

اور جو فلکی اجرام کسی ستارے کی مدد سے روشن ہوتے ہیں اور سورج کے گرد چکر لگاتے ہیں انھیں اردو میں سیارہ اور عربی میں کوکب کہتے ہیں، لہٰذا عطارد، زہرہ، مریخ، مشتری، زحل، اورانوس، نیپچون، پلوٹو سیارے ہیں، کیوں کہ یہ سورج سے روشنی حاصل کرتے ہیں اور اسی کے گرد گردش کرتے ہیں۔

اور جو فلکی اجرام سورج سے روشنی حاصل کرتے ہیں، لیکن سورج کی بجائے کسی دوسرے سیارے کے گرد گردش کرتے ہیں انھیں اردو میں ذیلی سیارہ اور عربی میں الکوکب التابع کہتے ہیں، لہذا چاند ذیلی سیارہ ہے، کیوں کہ وہ سورج سے روشنی حاصل کرتا ہے، لیکن سورج کی بجائے زمین کے گرد چکر لگاتا ہے۔

مشتری اور مریخ کے درمیان فلکی اجرام کی ایک پٹی ہے، جس میں دس میٹر سے لے کر سینکڑوں کلو میٹر پر مشتمل چھوٹے چھوٹے فلکی اجرام سورج کے گرد مخصوص مدار میں گردش کر رہے ہیں، یہ اتنے چھوٹے ہیں کہ انھیں سیارہ یا کوکب کا درجہ نہیں دیا جا سکتا، اسی لیے انھیں کویکب کہا جاتا ہے، جسے اردو میں سیارچہ کہتے ہیں۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے فلکی اجرام ہیں جو زیر آسمان اپنے مخصوص مدارات میں متعیّنہ رفتار میں گردش کر رہے ہیں، ارشاد باری ہے:

كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ○ (الانبیاء:33)

یعنی سب اپنے مخصوص مدارات میں گردش کر رہے ہیں۔

واضح رہے کہ فلکی اجرام کی رفتار زمینی اشیا اور دیگر سواریوں کی رفتار سے بہت زیادہ تیز ہوتی ہے، اور مسلسل ہوتی ہے، اس کے باوجود یہ کبھی نہ اپنے وقت سے مؤخر ہوتے ہیں، نہ اپنے مدار سے باہر ہوتے ہیں، اور نہ ہی باہم ٹکراتے ہیں، اس لیے کہ یہ اللہ رب العزت کے بنائے ہوئے محکم نظام کے تحت گردش کرتے ہیں، فرمایا:

وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَٰتٌۢ بِأَمْرِهِۦٓ. (النحل/12)

سارے ستارے اسی کے حکم کے پابند ہیں۔

اس تمہیدی اور ضروری گفتگو کے بعد اب آیئے موضوع

کی طرف بڑھتے ہیں، ارشاد باری ہے:

الشَّمۡسُ وَٱلۡقَمَرُ بِحُسۡبَانٍ ○(سورہ رحمٰن:5)

یعنی چاند سورج کا ایک حساب ہے، اسی حساب کی بدولت زمین پر زندگی قائم ہے، جب تک ان حسابات میں توازن برقرار رہے گا زمین بلکہ دوسرے سیارے اور فلکی اجرام سلامت رہیں گے، اور جیسے ہی ان میں خلل واقع ہوگا سارا نظام کائنات درہم برہم ہوجائے گا، اور دنیا تباہ وبرباد ہوجائے گی۔

چاند اور سورج کے حجم، حرکت، ہیئت، ان کی باہمی دوری اور دیگر فلکی اجرام کے بالمقابل ان کی رفتار وغیرہ کے اعتبار سے مختلف حسابات ہوسکتے ہیں، لیکن جو حسابات ہمارے لیے زیادہ اہمیت کے حامل ہیں ہم انھی پر روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے۔

زمین اور اہل زمین کے لیے چاند اور سورج کے دو حساب بہت اہم ہیں، ایک تینوں کی باہمی دوری کا حساب، دوسرے تینوں کی حرکت ورفتار کا حساب۔ دوری کے حساب میں موزونیت کے باعث زمین پر زندگی قائم ہے، اور حرکت ورفتار کے حساب میں تنوع کے باعث دن اور رات کی آمد اور موسموں کی تبدیلی کا عمل جاری ہے۔

زمین سے سورج کی دوری:

سورج آسمان میں چمکتے ستاروں کی طرح ایک عام ستارہ ہے، لیکن یہ دوسرے ستاروں کے بالمقابل زمین سے زیادہ قریب ہے، اسی لیے ہمیں بڑا نظر آتا ہے، ماہرین فلکیات کے مطابق سورج زمین سے 150,000,000 یعنی ایک ارب پچاس کروڑ کلومیٹر کی دوری کے فاصلے پر ہے، زمین پر زندگی کے لیے اتنی مسافت ضروری ہے، اس لیے کہ اگر سورج زمین سے تھوڑا اور قریب ہوجائے تو ہر شی جل کر راکھ ہوجائے گی، اور اگر سورج زمین سے تھوڑا دور ہوجائے تو درجۂ حرارت میں کمی اور شدت برودت کے باعث ہر شی منجمد ہوجائے گی، ساتھ ہی سورج کی مناسب روشنی فراہم نہ ہونے کے باعث زمین گہری تاریکی میں ڈوب کر اپنی شناخت کھودے گی، اسی لیے پروردگار عالم نے زمین اور سورج کے درمیان مناسب فاصلہ رکھا، تاکہ زمین پر زندگی باقی رہے۔

زمین سے چاند کی دوری:

چاند زمین کا سب سے قریبی پڑوسی ہے، چاند زمین سے384,402 کیلومیٹر کی دوری پر ہے، اسی چاند کی بدولت زمین پر سمندروں میں مدوجزر یعنی پانیوں میں مناسب اتار چڑھاؤ کا نظام قائم ہے، اگر چاند زمین سے کچھ اور قریب ہوجائے تو سمندروں میں طوفان اٹھیں گے، اور پانی کا ناقابل یقین بہاؤ خشکی پر زندگی کو تباہ کردے گا، اور اگر یہی چاند زمین سے کچھ اور دوری پر چلا جائے تو زمین کے مدار سے باہر نکل جائے گا، ایسی صورت میں ہمارے نظام شمسی کا سب سے زیادہ طاقت ور ستارہ اسے اپنی طرف کھینچ لے گا، اور یہ بات سبھی کو معلوم ہے کہ ہمارے نظام شمسی کا سب سے زیادہ طاقت ور ستارہ سورج ہی ہے، جب سورج کی قوت جاذبہ چاند کو اپنی طرف کھینچے گی تو دونوں میں زبردست تصادم ہوگا، اور ان کی تباہی سے پورا نظام کائنات تباہ ہوجائے گا، اور اسی وقت قیامت قائم ہوجائے گی، سورہ قیامہ میں ہے:

فَإِذَا بَرِقَ ٱلۡبَصَرُ وَخَسَفَ ٱلۡقَمَرُ وَجُمِعَ ٱلشَّمۡسُ وَٱلۡقَمَرُ يَقُولُ ٱلۡإِنسَٰنُ يَوۡمَئِذٍ أَيۡنَ ٱلۡمَفَرُّ كَلَّا لَا وَزَرَ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوۡمَئِذٍ ٱلۡمُسۡتَقَرُّ يُنَبَّؤُاْ ٱلۡإِنسَٰنُ يَوۡمَئِذِۢ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ ○[سورۃ القیامۃ 7-13]

یعنی جس دن آنکھیں چمک جائیں گی، چاند بے نور ہوجائے گا اور چاند اور سورج جمع کردیے جائیں گے، اس دن انسان کہے گا کہ میں بھاگ کر کہاں جاؤں؟ سنو اس دن کوئی جائے پناہ نہیں ہوگی، اپنے رب کے حضور حاضری کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہوگا، اس دن انسان کو بتادیا جائے گا کہ اس نے آگے کیا بھیجا اور پیچھے کیا چھوڑا۔

اس آیت کریمہ کے مطابق جب چاند و اور سورج جمع ہوں گے تبھی قیامت آئے گی۔ (جاری)

فَسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

آپ کے مسائل

کیا فرماتے ہیں مفتیان دین

سوال آپ بھی کر سکتے ہیں

مفتی محمد نظام الدین رضوی

حضور ﷺ زندہ ہیں تو انھیں دفن کیوں کیا گیا؟

سوال: حضور ﷺ اگر زندہ ہیں تو غسل وکفن کیوں دیا گیا؟ اور زندہ دفن کیوں کیا گیا؟ اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب الملفوظ: شہداے کرام کو تو سبھی زندہ مانتے ہیں، تو وہاں بھی یہ سوال پیدا ہوگا کہ انھیں دفن کیوں کیا جاتا ہے۔ ان کے بارے میں تو قرآن کا اعلان ہے:

﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴾

(القرآن الحکیم، سورۃ البقرۃ:2، الآیۃ:154)

ترجمہ: اور جو خدا کی راہ میں شہید کیے جائیں انھیں مردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں ہاں تمھیں خبر نہیں۔

ظاہر ہے اس کا جواب یہی دیا جائے گا کہ وہ زندہ تو ہیں، لیکن شہادت کی موت طاری ہوئی، اس لیے ان پر کچھ احکام موت کے جاری ہوئے۔

اسی طرح سمجھا چاہیے کہ حضرات انبیاے کرام بالخصوص سید الانبیا علیہم الصلاۃ والسلام زندہ ہیں، مگر ایک آن کے لیے ہی سہی، ان پر موت تو طاری ہوئی، اس لیے کچھ احکام موت کے بھی جاری ہوئے۔

حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر موت تو یقیناً طاری ہوئی اگرچہ ایک آن کے لیے سہی، اس لیے موت کے احکام شریعت نے جاری کیے اور اسی لیے آپ کو کفن دیا گیا اور آپ کو زیر زمین دفن کیا گیا، لیکن آپ ہمیشہ کے لیے زندہ بھی کر دیے گئے، اس لیے حیات حقیقی کے جو احکام ہیں وہ احکام بھی باقی رکھے گئے۔ اس طرح دونوں کے احکام جاری کیے گئے ہیں، موت کے بھی، کہ جب موت آئی تو کچھ نہ کچھ اس کے احکام کا اثر باقی رہنا چاہیے۔ اور جب زندہ ہیں تو اس کا بھی حکم جاری رہنا چاہیے۔

جب حضور سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال ہوا اور لوگوں میں بات آئی کہ وصال ہو گیا، تو حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلوار لے کر آ گئے کہ جو کہے گا کہ میرے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مرحوم ہو گئے، فوت ہو گئے، اس کی گردن اڑا دوں گا، تو اس کو کچھ مورخین نے یہ لکھ دیا کہ ان کے ہوش وحواس متاثر ہو گئے تھے، انھوں نے دہشت کی وجہ سے ایسی بات کہہ دی، مگر واقعہ یہ ہے کہ ان کے ہوش وحواس پورے طور پر درست تھے، انھوں نے جو فیصلہ کیا وہ بڑا عظیم فیصلہ تھا، وہ گویا یہ اعلان فرما رہے تھے کہ تمھاری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا، مگر میرے ایمان اور عشق کی آنکھیں مشاہدہ کر رہی ہیں کہ میرے سرکار پھر زندہ کر دیے گئے اور اس وقت بھی زندہ ہیں۔ بقول عاشق رسول امام احمد رضا قدس سرہ العزیز:

تو زندہ ہے واللہ، تو زندہ ہے واللہ
میری چشم عالم سے چھپ جانے والے

تو حقیقت یہ تھی کہ جب سرکار زندہ فرما دیے گئے تو اب ان کو کوئی مردہ نہیں کہہ سکتا، اس کا اعلان اسی وقت حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرما دیا تھا۔

مگر حیات نبی کے منکر یہ کہتے ہیں کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ آیت پڑھی:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ.

ترجمہ: اور محمد تو ایک رسول ہیں، ان سے پہلے اور رسول ہو چکے، تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں یا شہید ہوں تو تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟

یہ لوگ اس آیت کریمہ سے ایسی موت مراد لیتے ہیں جیسے عام آدمی کی ہوتی ہے حالاں کہ ایسا نہیں ہے، نہ حضور ﷺ عام آدمی جیسے تھے، نہ آپ کی وفات عام آدمی کی جیسی ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ اس پر ساری امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والتحیہ کا اجماع ہے کہ حضور حیات حقیقی دنیوی کے ساتھ بغیر کسی شائبۂ مجاز کے آج بھی زندہ ہیں اور امت کے احوال کا مشاہدہ فرماتے ہیں۔ چناں چہ برکت المصطفیٰ فی الہند حضرت شیخ محقق مولانا عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب ”سلوک اَقرب السبل“ میں لکھتے ہیں:

با چندیں اختلافات وکثرت مذاہب کہ در علمائے امت ست، یک کس رادریں مسئلہ ہیچ اختلافے نیست کہ آں حضرت ﷺ بہ حقیقت حیات، بے شائبۂ مجاز وتوہم تاویل دائم وباقی ست وبر اعمال امت حاضر وناظر۔ ومر طالبین حقیقت و متوجہان آں را مفیض ومربی ست۔ (سلوک اَقرب السبل، بر حاشیہ کتاب اَخبار الاَخیار، ص: 161، کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند)

ترجمہ: علمائے امت کے درمیان اس قدر اختلاف وکثرت مذاہب کے باوجود اس مسئلہ میں ایک شخص کا بھی کوئی معمولی اختلاف نہیں ہے کہ آں حضرت ﷺ بغیر مجاز کے شائبہ اور تاویل کے وہم کے حقیقی زندگی کے ساتھ زندہ وباقی ہیں اور امت کے اعمال پر حاضر وناظر۔ اور خاص کر حقیقت کے طالبوں اور آں حضرت کی طرف توجہ کرنے والوں کو فیض رساں ومربی ہیں۔

جب علمائے امت بلا اختلاف آپ کو زندہ وباقی اور احوال امت پر حاضر وناظر مانتے ہیں، تو یہ اس عقیدے پر اجماع امت ہوا اور احادیث متواتر المعنیٰ شاہد ہیں کہ امت کا اجماع خطا سے معصوم ہے، اس لیے یہ بھی ایک قوی دلیل ہے۔

اس اجماع کی بنیاد سرکار دوعالم ﷺ کی ان احادیث طیبہ پر ہے:

(1) عن أوس بن أوس، قال: قال رسول الله ﷺ: «إن من أفضل أيامكم يوم الجمعة: فيه خلق آدم، وفيه قبض، وفيه النفخة، وفيه الصعقة، فأكثروا على من الصلاة فيه، فإن صلاتكم معروضة على» قال: قالوا: يا رسول الله، وكيف تعرض صلاتنا عليك وقد أرمت؟ يقولون: بليت، فقال: «إن الله عز وجل حرم على الأرض أجساد الأنبياء. (سنن أبي داؤد، ج:2، ص:279، كتاب الصلاة/ باب فضل يوم الجمعة، دار الرسالة العالمية، بيرورت)

ترجمہ: حضرت اوس بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک تمھارے دنوں میں سے جمعہ کا دن سب سے بہتر ہے۔ اس دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی دن انھوں نے وفات پائی اور اسی دن صور پھونکا جائے گا اور اسی دن سخت آواز ظاہر ہوگی۔ تو اس دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو؛ کیونکہ تمھارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: یا رسول! اللہ ہمارا درود آپ کے وصال کے بعد آپ کو کیسے پیش کیا جائے گا جبکہ آپ کا جسد مبارک خاک میں مل چکا ہوگا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیائے کرام کے جسموں کو حرام کر دیا ہے۔

(2) عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ قال: ما من أحد يسلم علي إلا رد الله علي روحي حتى أرد عليه السلام.(سنن أبي داؤد، ج:3، ص:384، كتاب المناسك/ باب في الصلاة على النبيﷺ وزيارة قبره، دار الرسالة العالمية، بيرورت)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی بھی شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو بے شک اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لوٹا دیتا ہے، یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

(3) عن أنس بن مالك، قال رسول الله ﷺ: الأنبياء أحياء في قبورهم يصلون.(مسند أبي يعلىٰ، ج:6، ص:147، الرقم:3425، مسند أنس بن مالك/ ثابت البناني عن أنس، دار المأمون للتراث، دمشق)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انبیا اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔

جب احادیث شریفہ اور اجماع امت دونوں شاہد ہیں کہ حضور سید عالم حقیقی مفہوم میں حیات دنیوی کی طرح زندہ ہیں تو آپ پر جو موت طاری ہوئی، وہ بس ایک آن کے لیے اللہ کا وعدہ پورا ہونے کے لیے ہوئی۔

یہی وجہ ہے کہ معروف طریقہ پر حضور سید عالم ﷺ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی، بلکہ حضرات صحابہ کرام گروہ در گروہ حاضر بارگاہ ہوتے اور صلاۃ وسلام عرض کر کے چلے جاتے۔ اس کی تفصیل فتاویٰ رضویہ جلد چہارم، مطبوعہ سنی دار الاشاعت میں ہے۔

تو اگر اس بات کی طرف نظر کی گئی کہ حضور ﷺ کو دفن کیا، تو اس پر بھی تو نظر جانی چاہیے کہ معروف طریقہ پر حضور ﷺ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی، آپ کا ترکہ نہیں تقسیم کیا گیا، آپ ازواج سے دوسروں کے لیے نکاح حلال نہیں۔ اعتراض کرنے والے دونوں طرح کی چیزوں پر نظر رکھیں۔ جو لوگ حقیقت پسندانہ نگاہ رکھتے ہیں وہ کبھی ایسا سوال نہیں کرتے۔

انکشاف حقیقت: یہاں ایک حقیقت اور بھی ہے جس پر نقاب پڑا ہوا ہے۔ اب ہم اس کی نقاب کشائی کرتے ہیں۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ نے حکمرانی کی بڑی عظیم صلاحیت عطا کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ مسلمانوں کے خلیفہ بنے تو انھوں نے دنیا کو عدل سے بھر دیا اور ہر طرف امن وامان کا دور دورہ ہو گیا۔ ان کے اندر ایسی حکمرانی کی صلاحیت تھی۔ وہ اپنے اس فرمان کے ذریعہ دنیا کو یہ درس دے رہے تھے اور یہ قانون عطا کر رہے تھے کہ جب بھی کوئی حکمراں یا سربراہِ ریاست دنیا سے جائے، اس کا اعلان عام آدمی کو نہیں کرنا چاہیے۔ اس کا اعلان یا تو وہ کرے جو اس کا جانشین ہے یا وہ کرے جو اس کا جانشین بننے کا اہل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب تشریف لائے جو سرکار کے جانشین بھی منتخب ہوئے اور حق یہ ہے کہ وہی سب سے پہلے خلیفۃ الرسول اور خلیفۃ المسلمین ہونے کی صلاحیت بھی رکھتے تھے، انھوں نے جب یہ اعلان کر دیا کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو حضرت عمر فاروق بھی خاموش ہو گئے اور سارے لوگ بھی خاموش رہے؛ کیوں کہ اب جو اعلان ہو رہا تھا، ضابطے کے مطابق ہو رہا تھا اور یہ ضابطہ، ضابطۂ حکمرانی تھا۔ لہٰذا انھوں نے اس پر کوئی جرح وقدح نہیں کی، خاموش رہے۔ تو جہاں ضابطے کی خلاف ورزی ہو رہی تھی، وہاں سیف فاروقی نکل گئی اور جہاں ضابطے کے مطابق اعلان ہوا ان کا سر تسلیم خم ہو گیا۔

اس پوری گفتگو سے منکرین حیات کا جواب ہو گیا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ آیت کریمہ کیوں تلاوت فرمائی تھی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ ہیں اور حقیقی دنیوی زندگی کے ساتھ بے شائبۂ مجاز زندہ ہیں والله تعالىٰ أعلم. ■■■

جستجو

سنن ترمذی میں تحریف کی ایک مثال

ابوالابدال محمد رضوان طاہر فریدی

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہود کی ایک بُری صفت کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ یہ لوگ اپنی دنیا کمانے یا اپنے باطل عقیدے کی حفاظت کرنے اور حق کو چھپانے کے لیے سابقہ کتب سماویہ کی آیات میں تحریف کر دیتے ہیں اور انھیں لوگوں سے چھپا دیتے ہیں۔ اسی بُری روش کو نجدیوں یعنی برصغیر کے وہابیوں اور عرب کے سلفیوں نے اپنا رکھا ہے۔ عرب وعجم کے نجدیوں نے جب دیکھا کہ ان کے باطل عقائد و نظریات، فقہی احکام، ان کے تجددانہ افکار اور اسلام کی کسی بھی جہت پر ان کے اقوال کے خلاف منہج اہل سنت پر مضبوط دلائل قرآن و حدیث اور کتب اسلاف میں موجود ہیں۔ تو سب سے پہلے انھوں نے اُن کی غلط تشریح امت کے سامنے پیش کرنا شروع کی، جب اس سے کام نہیں بنا تو کتب اسلاف میں تحریف کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ جو تسلسل کے ساتھ جاری ہے۔

برصغیر میں کئی محققین نے اس پر صدائے احتجاج بلند کی اور وہابیہ کی تلبیس پر گرفت کی ہے۔ عرب کے محققین بھی اپنی اپنی بساط کے مطابق لکھتے رہتے ہیں۔ یہ معاملہ سنگین نوعیت کا ہے جس پر ہماری تنظیموں اور اداروں کو بھرپور توجہ دینے کی ضرورت ہے اور اس کی روک وتھام کے لیے جو بھی ہو سکے، کرنا چاہیے۔

وہابیوں کا خود کا نام "اہل حدیث" رکھ کر علم حدیث کے ساتھ جو انھوں نے کھلواڑ کیا ہے وہ انتہائی شرم ناک اور ان کے چہرے پر قیامت تک کے لیے سیاہ داغ کے طور پر موجود رہے گا۔ حافظ محمد عطاء الرحمن قادری نے کچھ عرصہ پہلے ایک مختصر مضمون قلم بند کیا تھا، جو ماہنامہ جہان رضا، لاہور کے کسی شمارے میں شائع ہوا تھا۔ جس میں انھوں نے وہابیوں کے مشہور ادارے دارالسلام، لاہور سے شائع ہونے والی کتب حدیث میں وہابیہ کی طرف سے ہونے والی تحریف کو ظاہر کیا تھا۔

کتب احادیث میں تحریف کا کام عجم سے زیادہ عرب میں ہو رہا ہے۔ اس کی ایک مثال ملاحظہ کریں۔

امام الحدیث ابی عیسی محمد بن عیسی بن سورۃ ترمذی ایک حدیث روایت کرتے ہیں:

لاتظهرن شماتة لأخيك فيعافيه الله ويبتليك.

اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد امام ترمذی اس پر حکم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"هذا حديث حسن غريب."

امام ترمذی کے علاوہ دیگر محدثین نے بھی اس حدیث کو اپنی اپنی اسناد سے روایت کیا ہے، جس کی تفصیل راقم الحروف نے اپنی تالیف "الاحاديث المنتخبة فى وحدانيات امام اعظم ابو حنيفة" میں بیان کر دی ہے۔ البتہ یہاں ہم اُن ائمہ محدثین اور علما کا ذکر کرتے ہیں، جنھوں نے مذکورہ بالا حدیث کو امام ترمذی سے نقل کرنے کے بعد ساتھ اس کا حکم بھی نقل کیا ہے۔

امام حافظ ابن حجر عسقلانی اپنی ایک تالیف " أجوبة الحافظ ابن حجر العسقلاني عن أحاديث المصابيح " میں اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

قلت: أخرجه الترمذي من طريق مكحول عن واثلة بن الأسقع، وقال (الترمذی): "حديث حسن غريب.

rizwan.tahir1989@gmail.com

(أجوبة الحافظ ابن حجر العسقلاني عن أحاديث المصابيح،مشموله مصابيح السنه، ج:1، ص:89، مطبوعه دارالمعرفة ، بیروت، لبنان: 1407ھ/ 1987ء)

علامہ عبدالحق بن عبدالرحمن اندلسی المعرف ابن خراط "الاحکام الشرعیۃ الکبریٰ" میں اسے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

قَالَ (الترمذی): هَذَا حَدِيث حسن غَرِيب. (الاحکام الشرعیۃ الکبریٰ، ج:3، ص:229- مطبوعہ مکتبۃ الرشد، ریاض:1422ھ/2001ء)

امام محی الدین یحییٰ بن شرف الدین نووی " ریاض الصالحین"میں اسے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

رواه الترمذي وقال: حديث حسن. (ریاض الصالحین،ص:443،مطبوعہ دارابن کثیر،دمشق،شام:1428ھ/2007ء)

علامہ محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی "مشکاة المصابیح"میں اسے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

رواه الترمذي وقال: هذا حديث حسن غريب. (مشکاۃ المصابیح،ج:3،ص:1363،مطبوعہ المکتب الاسلامی، بیروت،لبنان:1985ء)

امام جمال الدین یوسف بن عبدالرحمن مزی " تحفۃ الاشراف"میں نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

قال(الترمذی): حسن غريب. (تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف، ج:9، ص:79، مطبوعہ المکتب الاسلامی، بیروت، لبنان::1403ھ/1983ء)

علامہ ابوسعید خلیل بن کیکلدی بن عبداللہ دمشقی علائی "النقد الصحيح لما اعتراض من احاديث المصابيح"میں نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

رواه الترمذي عن سلمة بن شبيب عن القاسم بن أمية عن حفص بن غياث، وقال فيه حديث حسن غريب.

(النقد الصحیح لما اعتراض من احادیث المصابیح،ص:39)

علامہ جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعی"نصب الرایۃ"میں فرماتے ہیں:

قال (الترمذی): هذا حديث حسن.(نصب الرایۃ، ج: 2، ص:492، مطبوعہ مؤسسۃ الریان، بیروت، لبنان: 1418ھ/1997ء)

علامہ اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی " جامع المسانید والسنن"میں نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

ثم قال(الترمذی): حسن (غريب).(جامع المسانید والسنن، ج:8، ص:386، مطبوعہ دار خضر، بیروت، لبنان: 1419ھ/1998ء)

علامہ ابو المعالی محمد بن ابراہیم بن اسحاق مناوی شافعی "مصابیح السنہ"کی تخریج "کشف المناہج" میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

قلت: رواه الترمذي في الزهد: من حديث مكحول عن واثلة بن الأسقع وقال: حسن غريب.(کشف المناہج،ج:4، ص:251، مطبوعہ الدار العربیۃ للموسوعات، بیروت،لبنان:1425ھ/2004ء)

علامہ ابوالفضل زین الدین عبدالرحیم عراقی " المغنی" میں اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

أخرجه الترمذي من حديث واثلة بن الأسقع وقال حسن غريب. (المغنی عن حمل الاسفار فی الاسفار، ص:1086، مطبوعہ دار ابن حزم، بیروت، لبنان:1426ھ/2005ء)

امام کمال الدین محمد بن عبدالواحد سکندری "فتح القدیر" میں لکھتے ہیں:

قال الترمذي في كتابه بعد روايته: حديث "لا تظهر الشماتة بأخيك فيعافيه الله ويبتليك "عن مكحول عن واثلة هذا حديث حسن.(فتح القدیر، ج:2،ص:397، مطبوعہ مصطفی البابی الحلبی، مصر:1389ھ/1970ء)

ابو محمد حسن بن علی بن سلیمان البدر الفیومی "فتح القریب المجیب علی الترغیب والترہیب للمنذری" میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

رواه الترمذي وقال حديث حسن غريب. (فتح القریب المجیب،ج:10،ص:410)

امام شمس الدین محمد بن عبدالرحمن سخاوی "المقاصد الحسنة" میں یہ حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: قال (الترمذی): إنه حسن غريب. (المقاصد الحسنة،ص:720، مطبوعہ دارالکتب العربی،بیروت،لبنان:1405ھ/1985ء)

امام جلال الدین ابی بکر عبدالرحمن سیوطی "جامع الاحادیث" میں مذکورہ بالا حدیث نقل کرنے کے بعد حوالے کے طور پر لکھتے ہیں:

(الترمذی - حسن غريب - والطبرانی عن واثلة). (جامع الاحادیث،ج:16،ص:218،مطبوعہ مصر:)

امام سیوطی اس حدیث کو اپنی دوسری تصنیف "الدرر المنتشرة فی احادیث المشتهرة" میں اسے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

الترمذي من حديث واثلة بن الأسقع وحسنه. (الدرر المنتشرۃ، ص: 208، مطبوعہ جامعۃ الملک سعود، ریاض:)

امام سیوطی نے "تبیض الصحیفة" میں اس حدیث کے تحت بھی "حسنہ" لکھا ہے۔ (تبیض الصحیفۃ، ص: 37، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ،بیروت،لبنان:1410ھ/1990ء)

علامہ زین الدین عبدالرؤف مناوی "فیض القدیر شرح الجامع الصغیر" میں امام ترمذی سے اس حدیث کی دو اسناد نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

قال الترمذي: حسن غريب. (فیض القدیر، ج:6،ص:411،مطبوعہ المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ،مصر:1356ھ)

علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی "کشف الخفاء" میں یہ حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

رواه الترمذي والطبراني عن واثلة مرفوعا وقال (الترمذی) حسن غريب. (کشف الخفاء، ج:2، ص:356، مطبوعہ مکتبۃ القدسی، قاہرہ، مصر:1351ھ)

علامہ شوکانی "الفوائد المجموعة" میں اسے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: قال الترمذي: حسن غريب. (الفوائد المجموعۃ،ص:265،مطبوعہ دارالکتب العلمیہ،بیروت،لبنان:)

امام محمد امین المعرف ابن عابدین "حاشیہ رد المحتار" میں یہ حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

رواه الترمذي من وجه آخر وحسنه. (حاشیہ ردالمحتار،ج:1،ص:65،مطبوعہ مصطفی البابی الحلبی،مصر:1386ھ/1966ء)

علامہ ابو عبدالرحمن محمد بن محمد درویش شافعی "اسنی المطالب" میں اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: رواه الترمذی وقال: حسن غریب. (اسنی المطالب،ص:319، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ،بیروت،لبنان:1418ھ/1997ء)

اگر ہم "سنن ترمذی" کے مطبوعہ نسخوں کو دیکھیں تو وہاں بھی حدیث کے تحت امام ترمذی کی مکمل عبارت موجود ہے۔ چند نسخوں کو ملاحظہ کریں:

1: دارالفکر کے مطبوعہ نسخہ میں تحت رقم الحدیث : 2514 یہ عبارت موجود ہے:

هذا حديث حسن غريب. (سنن ترمذی،کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع عن رسول اللہ ﷺ، باب، الرقم:2514، ص:722، مطبوعہ دارالفکر،بیروت،لبنان:1425ھ/2005ء)

2: بیت الافکار الدولیۃ کے مطبوعہ نسخہ تحت رقم الحدیث 2506 بھی یہی عبارت ہے: هذا حديث حسن غريب. (جامع ترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، باب، الرقم: 2506، ص:408، مطبوعہ بیت الافکار الدولیۃ، ریاض: سنہ ندارد)

3: مکتبۃ المعارف کے مطبوعہ نسخہ تحت رقم الحدیث 2506 میں بھی یہ عبارت موجود ہے:

هذا حديث حسن غريب. (سنن ترمذی، کتاب صفة القيامة، باب، الرقم: 2506، ص: 564، مطبوعہ مكتبة المعارف للنشر و التوزیع، ریاض: سنہ ندارد)

4: عرب کے مشہور محقق علامہ محمد فواد عبد الباقی، ابراہیم عطوہ عوض اور احمد محمد شاکر کی مشترکہ تحقیق و کاوش سے شائع ہونے والے نسخہ میں تحت رقم الحدیث 2506 بھی یہی عبارت موجود ہے:

هذا حديث حسن غريب. (سنن ترمذی، ج: 4، کتاب صفة القيامة، باب، الرقم: 2506، ص: 662، مطبوعہ مصطفى البابي الحلبي، مصر: 1382ھ/1962ء)

5: "سنن ترمذی" کے محققہ اور سب سے معتبر سمجھے جانے والے نسخہ مطبوعہ دار التاصیل، مصر میں بھی تحت رقم الحدیث 2685 بعینہ هذا حديث حسن غريب. کے الفاظ ہی موجود ہیں۔ (سنن ترمذی، ج: 3، باب صفة الجنة، باب، الرقم: 2685، ص: 452، مطبوعہ دار التاصیل، قاہرہ، مصر: 1437ھ/2016ء)

یہی نہیں بلکہ وہابیوں کے ہر دلعزیز محمد ناصر الدین البانی نے بھی "ضعیف سنن الترمذی" میں اس حدیث کے تحت امام ترمذی کے حکم والفاظ کو باقی رکھا ہے۔

هذا حديث حسن غريب. (ضعیف سنن الترمذی، ص: 287، مطبوعہ المکتب الاسلامی، بیروت، لبنان: 1411ھ/1991ء)

جب کہ دار الکتب العلمیہ بیروت کا نسخہ جو وہابی فکر رکھنے والے خالد عبد الغنی محفوظ کی تصحیح و ضبط کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔ اس میں مذکورہ بالا عبارت سے لفظ "حسن" کو حذف کر کے عبارت کو یوں کر دیا گیا ہے:

قال هذا حديث غريب. (سنن ترمذی، ابواب صفة القيامة والرقائق والورع، باب، الرقم: 2506، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان: 1440ھ/2019ء)

خالد عبد الغنی محفوظ کے نام کے ساتھ " ضبطه وصحّحه " کے الفاظ تو لگا دیئے ہیں، مگر انھوں نے کس طرح کا ضبط و تصحیح کا کام کیا ہے، مقدمہ میں اس پر ایک حرف بھی نہیں لکھا گیا ہے۔ اور یہ بات اصول تحقیق کے خلاف ہے کہ آپ کسی کتاب پر کرنے والے کام کی تفصیل کی اجمالی معلومات مقدمہ میں پیش نہ کریں۔ دراصل ضبط و تصحیح کے نام پر کتاب میں تحریف و حذف کیا گیا ہے۔ اس لیے مقدمہ میں اپنے کام کی تفصیل نہیں دی کہ اس طرح لوگوں کو فوراً پتا چل جائے گا کہ کیا واردات ڈالی گئی ہے۔ جبکہ موصوف کے ذہن میں ہوگا کہ نہ تو کسی کے پاس وقت ہے اور نہ ہی کوئی اتنی باریک تحقیق کرے گا۔ اور جب تک لوگوں کو اس واردات کا پتا چلے گا تب تک ہزاروں نسخے دنیا بھر میں پھیل چکے ہوں گے اور اس کا ازالہ مشکل ہو جائے گا۔

اس حدیث کو البانی نے ضعاف میں شامل کر دیا ہے، اِس لیے اس کے فکری فرزند چاہتے ہیں کہ امت کا کوئی دوسرا فرد اس حدیث سے کسی بھی طرح کا استدلال نہ کرے۔ کیونکہ امام ترمذی نے اپنے مخصوص انداز و اصطلاح میں "غریب" کے ساتھ "حسن" کا حکم بھی بیان کیا ہے۔ جب کوئی شخص امام ترمذی کے حکم کو دیکھتا ہے تو وہ کافی حد تک مطمئن ہو جاتا ہے۔ جبکہ البانی فکر کا تقاضہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی بھی مقام پر اس حدیث سے کسی بھی طرح کا استدلال نہ کر پائے۔ اس لیے عبارت میں تحریف کرتے ہوئے لفظ "حسن" ہی حذف کر دیا۔ تاکہ پڑھنے والے صرف " هذا حديث غريب" دیکھ کر آگے بڑھ جائیں۔ نہ ہو بانس اور نہ بجے بانسری والا حساب ہو گیا۔

ایک وقت تھا کہ دار الکتب العلمیہ سے شائع ہونے والی کتابوں پر اعتماد کیا جاتا تھا، مگر وقت کے ساتھ ساتھ یہ ادارہ بھی اپنی ساکھ کھو رہا ہے۔ یا تو دار الکتب العلمیہ کی موجودہ مینجمنٹ کے تعلق عرب سلفیوں کے ساتھ کافی استوار ہو گئے ہیں یا پھر ان کے پیش نظر صرف تجارتی فوائد ہی ہیں جو ہر طرح کی کتب شائع کیے جا رہے ہیں۔ مضمون کی طوالت کے پیش نظر میں نے صرف ایک مثال پیش کی ہے، جب کہ کتاب میں دیگر کئی مقامات پر بھی یہی کھلواڑ کیا گیا ہے۔ ☆☆☆

نقد و نظر

سب کچھ وقت کے گرداب میں گم ہو جائے گا!

حافظ افتخار احمد قادری

کبھی لمحہ بھر کے لیے آنکھیں بند کر کے سوچیں کہ ہم اس دنیا میں ہمیشہ کے لیے نہیں آئے بلکہ ہماری یہ زندگی ایک سفر ہے اور ہم اس سفر کے مسافر ہیں۔ ہم صبح سے شام تک دوڑتے ہیں، خواب بُنتے ہیں، خواہشات کے پیچھے بھاگتے ہیں، منصوبے بناتے ہیں اور یہ سب کرتے ہوئے بھول جاتے ہیں کہ ہر گزرتا لمحہ ہمیں ہماری آخری سانس کے قریب لے جا رہا ہے۔ یہ زندگی چاہے جتنی بھی رنگین کیوں نہ ہو اس کا انجام ایک دن خاموشی ہے۔ وہ دن بھی آئے گا جب ہماری سانسیں تھم جائیں گی، آنکھوں کی چمک بجھ جائے گی اور ہماری آواز ہمیشہ کے لیے خاموش ہو جائے گی۔ نہ کسی کو فون کیا جائے گا نہ کسی کو پیغام بھیجا جائے گا، بس ایک خبر ہوگی کہ فلاں شخص اس دنیا سے رخصت ہو گیا ہے۔ اس وقت لوگ حیران ہوں گے، کچھ لمحوں کے لیے افسوس کریں گے، چند آنکھیں نم ہوں گی، چند دل تڑپیں گے لیکن پھر سب اپنی زندگی کی مصروفیات میں واپس چلے جائیں گے۔ جنازہ پڑھا جائے گا، دعائیں کی جائیں گی، ہمارے گھر میں کھانا کھایا جائے گا، ہمارے لیے مغفرت کی دعائیں کی جائیں گی لیکن چند دن بعد ہم محض ایک یاد، ایک نام یا ایک قبر کا پتہ بن کر رہ جائیں گے۔ کوئی یاد نہیں کرے گا کہ ہم کس طرح ہنستے تھے؟ کس طرح روتے تھے؟ ہمارے خواب کیا تھے؟ ہماری خواہشیں کیا تھیں؟ یا ہم نے کس سے کتنا پیار کیا تھا؟ سب کچھ وقت کے گرداب میں گم ہو جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"عقل مند وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور موت کے بعد کے لیے تیاری کرے اور بے وقوف وہ ہے جو اپنی خواہشات کے پیچھے چلتا رہے اور اللہ سے امیدیں باندھتا رہے۔" (سنن ترمذی)

اسی لیے جب تک زندگی ہے اس کے ہر لمحے کو قیمتی سمجھو، اپنے دل کے بوجھ ہلکے کر دو، گلے شکوے ختم کر دو، نفرتوں کو دل سے نکال دو۔ محبت کو عام کرو، دوسروں کو معاف کرو، اپنے والدین اور بزرگوں کی قدر کرو، دوستوں اور رشتہ داروں سے پیار کے رشتے جوڑو۔ دنیا کے جھوٹے غرور، حسد اور انا کو چھوڑ دو کیونکہ یہ سب کچھ قبر کے دہانے پر بے کار ہو جائے گا۔ ایک اور حدیثِ مبارکہ میں ہے:

"سب سے بہتر انسان وہ ہے جو دوسروں کے لیے سب سے زیادہ فائدہ مند ہو۔" (المعجم الاوسط للطبرانی)

اس لیے وہ کام کرو جو تمھارے مرنے کے بعد تمھیں زندہ رکھے۔ کوئی نیک عمل، اچھا کردار، کوئی خوشبو جو تمھارے بعد بھی دوسروں کے دلوں میں باقی رہے۔ لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کرو، کسی کے دکھ بانٹو، کسی کے زخموں پر مرہم رکھو۔ اس زندگی کو ایسے گزارو کہ تمھارے جانے کے بعد لوگ صرف تمھاری موت پر نہیں روئیں بلکہ تمھاری زندگی کو یاد کر کے دعائیں کریں، تمھارے کیے گئے اچھے کاموں کا ذکر کریں اور تمھارا نام عزت سے لیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں سوائے تین چیزوں کے: صدقہ جاریہ، علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے، یا نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے۔" (صحیح مسلم)

یاد رکھو! زندگی کی اصل حقیقت یہ ہے کہ ہم مسافر ہیں

کریم گنج، پورن پور، پیلی بھیت، یو.پی iftikharahmadquadri@gmail.com.

اور یہ دنیا ایک سرائے ہے۔ ہم سب کو یہاں سے جانا ہے لیکن خوش نصیب وہ ہیں جو اپنی زندگی کو اس طرح جیتے ہیں کہ ان کی یادیں خوشبو کی طرح پھیل جائیں اور ان کے اعمال ان کے لیے صدقہ جاریہ بن جائیں۔

اس لیے آج سے فیصلہ کرو کہ سچ بولو، محبت پھیلاؤ، شکایتیں چھوڑ دو، معاف کر دو اور ایسا کردار چھوڑ جاؤ جو تمھارے جانے کے بعد بھی تمہیں زندہ رکھے۔ کیونکہ موت کے بعد انسان کا جسم مٹی میں چلا جاتا ہے لیکن اس کا کردار، اس کی سوچ اور اس کے اعمال لوگوں کے دلوں میں زندہ رہتے ہیں۔ وقت گزر جاتا ہے، چہرے مٹ جاتے ہیں، آوازیں خاموش ہو جاتی ہیں لیکن جو اثر انسان چھوڑ جاتا ہے وہ وقت کی گرد میں بھی ماند نہیں پڑتا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں انسان کی اصل پہچان نہ اس کا چہرہ ہوتا ہے نہ اس کی دولت و شہرت بلکہ اس کا اخلاق، رویہ اور کردار ہی اس کی سب سے بڑی پہچان ہوتے ہیں۔

دنیا میں لوگ آپ کو آپ کی حیثیت سے نہیں بلکہ آپ کے برتاؤ سے یاد رکھتے ہیں۔ آپ نے کسی کی دل جوئی کی، کسی گرتے ہوئے کو تھاما، کسی بھٹکے ہوئے کو راہ دکھائی، کسی روتے کو ہنسایا تو یہ سب وہ نیکیاں ہیں جو آپ کے بعد بھی زندہ رہتی ہیں۔ وہ لمحے جن میں آپ نے کسی کی زندگی میں سکون بھرا، وہ باتیں جنھوں نے کسی کو حوصلہ دیا، وہ دعائیں جو کسی کے دل سے نکلی تھیں آپ کے لیے یہی وہ خزانے ہیں جو جسمانی موت کے بعد بھی انسان کے نام کو زندہ رکھتے ہیں۔ یاد رکھیں! دولت وقتی ہے، شہرت عارضی ہے، مقام بدل جاتے ہیں لیکن نرم لہجہ، سچائی، خلوص اور محبت وہ خوشبو ہے جو انسان کے جانے کے بعد بھی لوگوں کے دلوں اور سانسوں میں مہکتی رہتی ہے۔ دنیا کی بھیڑ میں ہر کوئی بڑا بننا چاہتا ہے مگر سچ تو یہ ہے کہ اصل بڑا وہی ہوتا ہے جو دلوں میں جگہ بناتا ہے نہ کہ صرف خبروں میں۔

اگر آپ نے کسی بھوکے کو کھانا کھلایا، کسی یتیم کے سر پر ہاتھ رکھا، کسی مظلوم کی آواز بنے، یا کسی کو علم، وقت یا پیار دیا تو سمجھ لیجیے کہ آپ نے وہ کام کر لیا جو موت کے بعد بھی آپ کے وجود کو زندہ رکھے گا۔ آپ خود شاید نہ رہیں لیکن آپ کی مہربانی، آپ کی دعائیں، آپ کی نیکی لوگوں کی زبان پر، دلوں میں اور دعاؤں میں باقی رہے گی۔ اصل چیز یہ نہیں کہ دنیا نے آپ کو کتنا پہچانا بلکہ یہ ہے کہ آپ نے دنیا کو کیا دیا اور دلوں میں کون سی یاد چھوڑ دی۔ لوگ آپ کو کتنی دیر یاد رکھتے ہیں۔

یہ آپ کی زندگی کے اصل معیار کو ظاہر کرتا ہے۔ اگر آپ صرف دنیا میں آئے، جیے اور چلے گئے تو پھر اور کسی جانور یا پرندے میں کیا فرق رہا؟ انسان تو وہ ہے جو دلوں پر اثر چھوڑ جائے اور جانے کے بعد بھی نفع دے۔ محبت و خدمت اور اچھے اخلاق وہ خوشبو ہیں جو انسان کے بعد بھی باقی رہتی ہیں۔ وہ خوشبو جو وقت کے ساتھ ماند نہیں پڑتی بلکہ پھیلتی ہے نئی نسلوں تک پہنچتی ہے۔

وہ علم جو آپ نے بانٹا، وہ تربیت جو آپ نے دی، وہ حرف جو آپ نے محبت سے کہا وہ سب صدقہ جاریہ بن کر آپ کے اعمال نامے میں لکھا جاتا رہتا ہے۔ زندگی کا اصل مقصد یہی ہے کہ انسان اتنا اچھا ہو جائے کہ اس کے جانے کے بعد لوگ صرف آنسو نہ بہائیں بلکہ کہیں:

"یہ وہ شخص تھا جس نے ہمیں جینا سکھایا، جو دلوں کو جوڑ گیا جو روشنی دے گیا"۔ ☆☆☆

محترم قارئین! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

فخر القرا حضرت مولانا قاری الحاج محمد یحییٰ صاحب علیہ الرحمہ سابق استاذ و ناظم اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے شاگردوں اور دیگر حضرات سے اپیل ہے کہ حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ کے متعلق جو کچھ بھی معلومات دستیاب ہوں ہو اسے تحریری شکل میں ارسال کر دیں بڑی مہربانی ہوگی۔ درج ذیل نمبر پر رابطہ کر سکتے ہیں۔ **از: نبیرۂ فخر القرا محمد معاذ قادری مصباحی**

فون و وہاٹسپ نمبر۔+917785930248

شعاعیں

آخری قسط

تحفظ ختم نبوت

----------------از: مبارک حسین مصباحی----------------

مغل شہنشاہ اکبر کے دور میں ہندوستان میں 120 شہر اور 3200 دیہات تھے۔ اس حقیقت کی بنیاد پر یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ اٹھارہویں صدی کے دوران ہندوستان میں لوگوں کی بہت بڑی تعداد دیہاتوں میں رہائش پذیر تھی۔

اٹھارہویں صدی میں بڑے شہر، جیسے لاہور، دہلی، آگرہ، متھرا اور دکنی ریاستیں، جنگ و جدال اور بیرونی حملہ کے سبب افسوس ناک صورت حال سے گزر رہے تھے۔ ان حالات کا منفی پہلو یوں ظاہر ہوا کہ یورپی تاجروں نے ہندوستان کی جانب رخ کیا، جو ہندوستانی اشیا کو سونے اور چاندی کے عوض خریدتے تھے۔ (History of Freedom Movement in India, ص:172)

خیال رہے کہ اس زمانے سے ہی ہندوستان دست کاری کے لیے بہت مشہور تھا۔ کاریگر صرف عام لوگوں کی ضرورت کی چیزیں نہیں بناتے تھے، بلکہ اہل دولت و ثروت کی دلچسپی کے سامان بھی تیار کرتے تھے۔

یعنی مختلف میدانوں میں انفرادیت نے فطری طور پر مہارت میں یہاں تک اضافہ کر دیا کہ ہندوستانی ہنر کی شہرت دور دور تک پہنچ گئی اور ساری دنیا میں اس وقت کوئی مدمقابل نہیں رہا۔ صنعتی مراکز اور مہارت کے میدان میں بھی ہندوستان مغربی دنیا سے کہیں آگے تھا۔ ہندوستانی کارخانے سے تیار ہونے والی اشیا نہ صرف ایشائی اور افریقی ممالک کی ضرورتیں پوری کرتی تھیں، بلکہ ان کی طلب یورپ کے بازاروں میں بھی بہت تھی۔ ظاہر ہے ہندوستان میں تیار شدہ چیزیں بحری جہازوں اور خشکی کے راستے عالمی بازار میں پہنچائی جاتی تھیں، اس لیے آمد و رفت کے یہ ذرائع بھی ہندوستانی معیشت میں مثبت کردار ادا کرتے تھے۔ ہندوستانی تاجر خلیج فارس اور بحیرۂ احمر کے ساحلی علاقوں میں منظم ڈھنگ سے آباد تھے۔ اسی طرح افغانستان اور مرکزی ایشیا کے شہر قندھار، کابل، بلخ، بخارہ، کاشغر، نیز ایران کے شہر شیراز، اصفہان مشہد اور روس کے باکو اور استرخوان کے علاقے تک ہندوستانی تاجروں کے دست تصرف میں رہے۔

سوتی کپڑوں کے کارخانے پورے ملک میں پھیلے ہوئے تھے، تاہم ڈھاکہ، بنارس، آگرہ، ملتان، برہان پور، احمد آباد، برودہ، بھڑوچ اور سورت کے کارخانے زیادہ مشہور و معروف تھے۔ ریشمی اور اونی کپڑے، نیز کھادی وغیرہ بنگال میں تیار کیے جاتے تھے۔

یہاں پر یہ قصہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ برطانیہ کے ہاؤس آف کامنز نے 1813ء میں مدراس کے گورنر Sir Thomas Munro سے پوچھا کہ صنعتی انقلاب کے بعد برطانوی کپڑے ہندوستان میں فروخت کیوں نہیں ہو رہے ہیں، تو انھوں نے جواب دیا کہ ہندوستان میں بنے ہوئے کپڑے بہت معیاری ہیں۔ مثال دیتے ہوئے انھوں نے کہا کہ میرے پاس ایک ہندوستانی شال ہے، جو میں سالوں سے استعمال کر رہا ہوں لیکن وہ اب بھی نئی لگتی ہے۔ اگر مجھے یورپ سے بنی ہوئی کوئی شال دے، تو اسے میں استعمال نہیں کروں گا۔ (Economic Position of

Islamic world by Asrar Alam)

غرض کہ انیسوی صدی میں ہندوستان معاشی اعتبار سے نہایت ہی مستحکم اور مضبوط تھا۔ اناج، سبزیوں اور پھل فروٹ کے اعتبار سے بھی ہندوستان خود کفیل تھا اور ضروریات حیات کی تمام چیزیں نہ صرف وافر مقدار میں یہاں تیار کی جاتی تھیں، بلکہ بڑے پیمانے پر انھیں ایشیا، افریقہ اور یورپ کے دوسرے ممالک میں برآمد کیا جاتا تھا۔

دینی حالات: مسلم حکمرانوں کے عہد سلطنت میں برطانوی تاجروں نے ہندوستان کا رخ کیا اور تجارتی مراعات حاصل کرنے کے نام پر اپنے قدم جمانے لگے۔ بڑے بڑے تجارتی مراکز کھولے گئے اور اپنی حفاظت کی آڑ میں آہستہ آہستہ مسلح دستہ تشکیل دینے میں کامیاب ہو گئے۔ کچھ ہی عرصہ بعد حالت یہاں یہ ہوئی کہ پورے ملک پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا اور دہلی سے مغلیہ سلطنت کی آخری علامت بہادر شاہ ظفر ملک بدر کر دیے گئے۔

انگریزوں نے اقتدار پر قبضہ کرنے کے بعد اپنے مذہب کو فروغ دینے کے لیے بڑے منظم طریقے سے عیسائی پادریوں کو کھلی چھوٹ دے دی۔ وہ اپنی محفلوں میں اسلامی شریعت پر بے جا اعتراضات کرتے اور اسلام کی مقدس شبیہ داغ دار کرنے کی کوشش کرتے۔ اسی طرح عوام کے دلوں میں عیسائیت سے ہمدردی کے جذبات پیدا کرنے کے لیے ملک میں جگہ جگہ مشنری ہسپتال اور بچوں کی تعلیم کے لیے مشن اسکول کھولے گئے۔ اس طرح یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ ہندوستان میں عیسائیت کی ترویج واشاعت کے لیے فضا پوری طرح ساز گار کر دی گئی۔

تاہم دھیرے دھیرے لوگوں پر برطانوی سامراجیت کی حقیقت کھل گئی اور غلامی سے نجات کے لیے پورے ملک سے صدائے احتجاجات بلند ہونے لگی۔ اس سلسلے کی پہلی کڑی 1857ء کی بغاوت ہے، جس کی قیادت مسلمانوں نے کی۔ یہ اور بات کہ اس جنگ میں بظاہر کامیابی نہ مل سکی اور مجاہدین آزادی طاقت کے زور پر صفحۂ ہستی سے مٹا دیے گئے۔ اس دور میں زمینی حالات پر بغور نگاہ ڈالیں، تو یہ امر کسی طور پوشیدہ نہیں رہ سکتا کہ شکست وریخت کے منفی اثرات ملت اسلامیہ پر پوری طرح چھائے ہوئے تھے۔ برطانوی سامراج کے زیر اثر ایک طرف دنیاوی ترقی کے امکانات معدوم ہوتے جا رہے تھے اور دوسری طرف عیسائیت کی کھلے عام تبلیغ واشاعت کی وجہ سے دینی شبیہ کے متاثر ہونے کے خطرات پیدا ہو گئے تھے۔ ان حالات میں مسلم فوجیوں کی انگریزوں کے خلاف ہونے والی بغاوت کی ناکامی ملت اسلامیہ کی صفوں میں قنوطیت و مایوسی میں اضافہ کرنے کا سبب بن رہی تھی۔ یہی وہ نقطہ انعکاس ہے، جہاں لوگ کسی غیبی امداد کے شدت سے منتظر تھے، جو انھیں سہارا دے کر دوبارہ سربلندی، وقار و تمکنت اور عزت و وجاہت سے سرفراز کرا سکے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیں کہ ہندوستان کی سرزمین پر دوبارہ اسلامی غلبہ کے لیے بے چینی واضطراب اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ چکی تھی۔

اسی کے ساتھ ملک میں ہندو مذہب، عیسائیت اور اسلام کے مابین بحث و مباحثہ کی فضا بھی پروان چڑھ رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ ہندوستان کے دو بڑے مذہب کے ماننے والوں کے بیچ باہمی مناظرہ اور ایک دوسرے کو زیر کرنے کی کوششوں سے انگریزی سلطنت سب سے زیادہ فائدہ میں تھی کہ لوگوں کی توجہ کسی طرح تحریک آزادی سے ہٹی رہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اسی مقصد کے پیش نظر برطانوی حکومت در پردہ مذہبی نزاع کے برقرار رکھنے، بلکہ اس میں مزید اضافہ کرنے میں، منفی کردار بھی ادا کرتی رہی ہے۔ ویسے کہنے کو تو مناظرہ و مکالمہ میں ہندوستان کے تین بڑے مذاہب

شامل تھے لیکن تاریخی شواہد اور زمینی حقائق کسی بھی شک وشبہ سے بالا تر ہوکر یہ کہنے پر مجبور کرتے ہیں کہ بحث و مناظرہ کا مرکزی ہدف مذہب اسلام تھا۔ ہندو اور عیسائیت؛ دونوں مذاہب کے ماننے والوں کی طرف سے اسلام پر جس قدر اعتراضات کیے جاتے تھے، اس کا عشرِ عشیر بھی متذکرہ دونوں مذاہب کے مابین ہمیں سنائی نہیں دیتے۔

آپ ملاحظہ کر رہے ہیں کہ انیسوی صدی میں ہندوستان کی فضا نہایت ہی کشمکش سے دور چار ہے۔ مسلمان اپنے مذہب کے تحفظ وصیانت کے لیے کسی مسیحا نفس کے منتظر ہیں اور برطانوی سلطنت کسی ایسی شخصیت کی تلاش میں ہے، جو مسلمانوں کے خون کو گرم کرنے والے عقیدۂ جہاد کی منسوخی کا اعلان کرے، تاکہ 1857ء کی طرح منظم بغاوت دوبارہ نہ ہونے پائے۔

یہ حالات کسی انقلابی پیغام کے لیے بظاہر بڑے سازگار تھے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی ٹھان لی، تاہم اپنے طے شدہ منصوبہ پر عمل کرنے کے لیے اس نے ایسے حربے استعمال کیے، جو بڑے منظم اور نہایت ہی پرکشش تھے۔ اپنے ہدف تک پہنچنے کے لیے اس نے سب سے پہلے عیسائیت اور ہندو مذاہب کی طرف سے اسلام پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات دینے میں پہل کی، تاکہ ایک مناظر، داعی اور خیرخواہ کی حیثیت سے مسلمانوں کے درمیان قابل احترام جگہ بنالیں۔

ایسا نہیں کہ متذکرہ حالات میں ملک کے اندر معتمد، باصلاحیت اور قابل علمائے کرام کی کمی تھی، یا مذہبی تنظیمیں اپنے حلقہ اثر میں دفاع دین وملت کا فریضہ ادا کرنے میں کوتاہی برت رہی تھیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ علمائے کرام، صوفیائے کرام، مذہبی ادارے اور دینی تنظیمیں سبھی اس حوالے سے قابل قدر خدمات انجام دے رہی تھیں؛ تاہم مشکل یہ تھی کہ برطانوی سامراجیت کی مخالفت کرنے کی وجہ سے انھیں کام کرنے کی کھلی آزادی حاصل نہ تھی اور قدم قدم پر موانع و مشکلات در پیش آتے تھے۔ دوسری جانب مرزا غلام احمد قادیانی برطانوی حکومت کی دل کی گہرائیوں کے ساتھ نہ صرف حمایت کرتا رہا رہے، بلکہ اپنے اشتہارات اور تالیفات میں حکومت برطانیہ کی تائید ونصرت کو دینی فریضہ قرار دینے پر بھی مصر رہا اور تاج برطانیہ کی پیشگی ودوام کے لیے بارگاہ خداوندی میں گڑگڑا کر دعائیں بھی کرتا رہا۔

ظاہر ہے کہ جب مرزا غلام احمد قادیانی اور حکومت برطانیہ؛ دونوں کے مفادات ایک دوسرے سے منسلک رہیں، تو یاری دوستی تو خوب جمنی ہی چاہیے۔ حکومت برطانیہ نے مرزا غلام احمد قادیانی کے پس پردہ مقاصد کے لیے خصوصی مراعات اور عنایات کے دروازے کھول دیے تو مرزا غلام احمد قادیانی نے حکومت برطانیہ کے خلاف مسلمانوں کے جذبات برانگیختہ کرنے والے بنیادی عنصر یعنی فریضۂ جہاد کی منسوخی کے اعلان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ہزاروں صفحات طبع کرا کے نہ صرف ہندوستان بلکہ عالم اسلام کے ہر اس ملک میں تقسیم کرنے کے انتظامات کیے، جہاں کی سرزمین برطانوی سامراجیت کے قبضے میں تھی۔ اس طرح دونوں ایک دوسرے کے قریب ہوتے گئے۔ حکومت برطانیہ نے اسلامی یکجہتی کو پارہ پارہ کرکے اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے قادیانیت کی ترویج واشاعت میں بھرپور حصہ لیا۔ نہ صرف پورے عالم اسلام میں اپنے زیر نگیں علاقوں تک قادیانیت کی پرامن ترسیل اور تبلیغ کے اہتمامات کیے، بلکہ مغربی ممالک تک اسے رسائی دی، تاکہ یہاں انھیں پھلنے پھولنے کے مواقع میسر آتے رہیں۔ غالبا یہی وجہ ہے کہ پاکستان کے صدر جنرل ضیاء الحق نے امتناع قادیانیت

آرڈیننس پاس کیا، تو جماعت احمدیہ کے تیسرے خلیفہ مرزا طاہر احمد رات کی تاریکی میں فرار ہو کر کسی اسلامی ملک نہیں گئے، بلکہ سیدھے اپنے آقائے نعمت، برطانیہ کے قدموں میں پہنچے اور یہیں سے اپنی تحریک جاری رکھی، نیز یہ کہ موت کے بعد تدفین کے لیے بھی یہیں کی سرزمین منتخب کی گئی۔

یہاں یہ حقیقت بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ ہندوؤں کے تہذیبی اثرات سے ہندوستان کے مسلمان باستثنائے چند، پورے طور پر محفوظ نہ رہ سکے۔ ولادت، شادی بیاہ اور موت سے لے کر شعبہائے حیات کے بہت سارے گوشے ایسے ہیں، جہاں مقامی تہذیب و تمدن کے عکس صاف دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہ اور بات کہ جب تک کوئی عمل خلاف شریعت نہ ہو، تو اسے طاقت کے زور پر روکنے کا کوئی جواز نہیں ہے، اس لیے علمائے کرام اور صالحین امت اعراض کرتے رہے۔ بہرکیف، مدعائے سخن یہ ہے کہ ہندو تہذیب کے زیر اثر عام مسلمان مافوق الفطرت جلوے، شعبدہ بازی اور ڈھونگ سے بہت جلد متاثر ہوتے تھے اور آج بھی کہیں کم اور کہیں زیادہ، ہر جگہ یہی حالت دکھائی دیتی ہے۔ سرزمین ہندوستان کی تہذیبی روایت کا یہ پہلو مرزا غلام احمد قادیانی کے افکار وخیالات کی ترسیل میں متحرک کردار ادا کرتا رہا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ قادیانیت کے مطالعہ کے دوران بار بار محسوس کریں گے کہ مرزا قادیانی ابتدا میں مافوق الفطرت الہامات اور عجیب وغریب پیشین گوئی کرتے رہے، تاکہ مقامی تہذیب سے متاثر مسلمانوں کے لیے اسے تسلیم کرنا کسی قدر آسان ہو جائے اور کم سے کم مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے۔

دینی پہلو سے احادیث صحیحہ کی بنیاد پر ثابت شدہ یہ حقیقت بھی قابل توجہ ہے کہ ملت اسلامیہ ہر قمری صدی کے آغاز میں ایک مجدد کی منتظر رہتی ہے، تاکہ مذہب اسلام میں در آئے ہوئے بے بنیاد افکار وخیالات اور بدعات و رسومات کی اصلاح ہوتی رہے۔ عجیب اتفاق ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی ولادت تیرہویں صدی ہجری کے وسط میں ہوئی اور وفات چودھویں صدی کے ربع اول میں ہوئی۔ اس طرح دینی اعتبار سے بھی اسے نئے مجدد کی آمد کے لیے تسلیم شدہ وقت سے فائدہ اٹھانے کی مہلت ہاتھ آگئی۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ اس نے غیبی نصرت وحمایت کے دعوی کے آغاز میں خود کو ایک مجدد کی حیثیت سے منوانے کی کوشش کی۔

بہرکیف، اجمالی طور پر یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے ہندوستان کے سیاسی، معاشی اور دینی حالات سے ناجائز فائدہ اٹھانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، بلکہ اپنے پس پردہ مقاصد کے لیے تمام تر ممکنہ اور غیر ممکنہ حربے استعمال کیے اور اب بھی خلفائے جماعت احمدیہ اسی نقش قدم پر گامزن دکھائی دے رہے ہیں۔

(ملخصاً از قادیانیت ایک تنقیدی مطالعہ)

ضمنی طور پر یہ تذکرہ ہو چکا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے بحث ومباحثہ اور تحریر وتقریر کی دنیا میں قدم رکھنے کے بعد اپنے خفیہ عزائم کی تکمیل کے لیے کئی پہلو بدلے ہیں۔ تاہم ایسا نہیں ہے کہ اس نے ایک قدم آگے بڑھانے کے بعد سابقہ پہلو سے دامن جھاڑ لیا ہو، بلکہ مزے کی بات یہ ہے کہ بعض صورتوں میں باہم متعارض ہونے کے باوجود، اس نے سارے پہلوؤں کو ایک شفیق ماں کی طرح اپنے سینے سے چمٹائے رکھا۔ آگے بڑھنے سے پہلے ایک مثال سماعت کر ہی لیجیے، تاکہ حیرت انگیز انکشافات اور محیر العقول اعترافات سننے کے لیے ذوق سماعت کی دلچسپی مزید بڑھ جائے۔

لاہور میں مرزا غلام احمد قادیانی نے جو خطاب کیا تھا، وہ روحانی خزائن میں شامل اشاعت ہے۔ ذرا اس کے سرورق کی یہ عبارت پڑھیے۔

”اسلام اور اس ملک کے دوسرے مذاہب حضرت

مجدد الوقت، امام الزماں مسیح موعود جناب مرزا غلام احمد صاحب“
(لیکچر لاہور، مندرجہ روحانی خزائن، ج:۲۰، ٹائٹل پیج)

خیال رہے کہ یہاں ایک ہی شخص کے حوالے سے بات ہو رہی ہے، یعنی جناب، مجدد وقت بھی ہیں، امام الزماں بھی ہیں اور مسیح موعود بھی۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ سارے مناصب جلیلہ اپنے مدلولات اور تحدیدات کے حوالے سے جداگانہ شان رکھتے ہیں لیکن جنھیں فرضی منصب پر فائز ہونے کا شوق ہو جائے، وہ بیک وقت دسیوں مناصب اپنی جیب میں لے کر گھومے، تو مقام حیرت واستعجاب کیوں؟

اسی پس منظر میں قائد اہل سنت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کے نوک قلم سے صفحۂ قرطاس پر پھیلے ہوئے خوبصورت اقتباس کا یہ حصہ پڑھیے۔

”اور اگر وہ مہدی ہیں تو مسیح موعود نہیں ہو سکتے، کیوں کہ ان دونوں اسموں کا مسمیٰ ایک نہیں ہے، الگ الگ ہے۔ یعنی مہدی اور مسیح موعود دو الگ الگ شخصیتیں ہیں اور احادیث کی روایات کے مطابق دونوں کا ظہور بھی الگ الگ ہوگا، نیز حضرت مسیح موعود علیہ السلام پیغمبر ہیں، جب کہ حضرت امام مہدی پیغمبر نہیں ہیں، بلکہ وہ امت محمدیہ کے ایک فرد ہیں۔ اس لیے دو الگ الگ شخصیتوں کا مصداق شخص واحد کو قرار دینا، کھلا ہوا دجل اور سفید جھوٹ ہے.... اور اگر مرزا جی مجدد ہیں تو نبی ہونے کا دعویٰ غلط ہے، کیوں کہ حدیث کی صراحت کے مطابق مجدد نبی نہیں ہوتا، بلکہ افراد امت میں سے اس کی حیثیت صرف ایک دینی مصلح کی ہوتی ہے، لہٰذا مجدد ہونے کا دعویٰ اگر صحیح تسلیم کیا جائے تو لازماً نبی ورسول ہونے کے دعوے کی تکذیب کرنی ہوگی اور بفرض محال اگر نبی ورسول ہونے کا دعویٰ صحیح قرار دیا جائے، تو مجدد ہونے کے دعوے کو جھٹلانا ہوگا، کیوں کہ دونوں دعوے ایک ساتھ ہرگز جمع نہیں ہو سکتے۔“(نقش خاتم، ص:20،21)

بہر کیف، اندازہ لگائیے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کی شخصیت کس قدر تضادات سے لبریز تھی۔ اور یہ تضاد صرف خارجی جہت سے نہیں ہے، بلکہ داخلی اعتبار سے بھی ہے۔ یعنی تاریخ ولادت کے حوالے سے مختلف آراء، اساتذہ سے حصول تعلیم کے مسئلہ پر دو طرح کی باتیں، عمر کی تعین میں یوم و ماہ نہیں بلکہ کئی کئی سالوں کا فرق، اسباب موت میں تضادات، اور پھر پیشین گوئیوں کی تکمیل کے پہلو سے تناقضات اور سب سے بڑھ کر باہم متضاد دعوے، الغرض مرزا غلام احمد قادیانی کی شخصیت پر جس جہت سے نگاہ ڈالیے، حیرت واستعجاب، تنزل وتسفل اور اختلاف وانتشار پہلو بدل بدل کر سامنے کھڑے دکھائی دیتے ہیں۔

متضاد دعوے: مناظر و مصلح، مجدد، محدث، ملہم، مہدی، مثل مسیح، مسیح موعود، مسیح ابن مریم، ظلی نبی، بروزی نبی، تشریعی نبی۔ اس نے یورپ، امریکہ اور اسرائیل وغیرہ میں اپنی کامیابیوں کے جھنڈے لہرائے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ؕ﴿۲۱﴾ (سورۃ الاحزاب:21)

بے شک تمھیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے اس کے لیے کہ اللہ اور پچھلے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرے۔

اے اللہ تو ہمیں اپنے بنائے ہوئے راستے پر اور اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طریقہ پر چلنے کے کی توفیق عطا فرما اور جس طرح یہ اہل پاکستان کتاب و سنت کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ہمیں بھی توفیق خیر سے سرفراز فرما۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ الصلوۃ والتسلیم۔

☆☆☆

انوار حیات آخری قسط

مفکر اسلام علامہ قمر الزماں اعظمی

شخصیت، علمیت، خطابت اور پیغام

مولانا محمد فروغ القادری

”مفکر اسلام علامہ قمر الزماں اعظمی“ کے خطبات اور تقریروں میں تعمیر خودی کا جوہر اور متعلق مباحث سے مظاہرات فن کا عکس دور دور تک پھیلا نظر آتا ہے۔ بیان کی شوخی، اظہارِ خیال کی انفرادیت، معاملاتِ عشق کی حنا بندی اور تخیلات کی بلند پروازی کے باوجود زمینی قدروں سے ان کی فکری آگہی کا رشتہ نہیں ٹوٹتا۔ ان کے بیان سے ”جلوۂ یوسف گمشدہ“ کی تپش محسوس ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوثر و تسنیم میں ڈھلے ہوئے لب و لہجے کانوں میں رس گھولتے ہیں اور شاہراہِ فکر و نظر رشک صد کاہ کشاں بنی ہوتی ہے۔ ”علامہ اعظمی“ کی پر شکوہ شخصیت میں نئے عہد کے طلبا کے اخذ و جذب کے لیے بہت کچھ موجود ہے، ان کا ایوانِ علم و فن مختلف النوع موضوعات و عناوین کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ دینی، مذہبی، مسلکی اور اعتقادی اعتبار سے شاید ہی کوئی موضوع ہو جسے ان کے اشہب فکر نے دو آتشہ نہ بنایا ہو۔ تاریخ عالم پر ان کی گہری نظر ہے جو ان کی فکری بصیرت کو بین الاقوامی مسائل کے ادراک کے لیے ہمیشہ بیدار رکھتی ہے۔ ان کے فکری و علمی پس منظر کو سمجھنے کے لیے تاریخ اسلام، تاریخ تجدید، تاریخ اجتہاد، تاریخ علوم اسلامی اور خاص کر مسلک امام احمد رضا محدث بریلوی کی تحریکات کا مطالعہ ضروری ہے۔ شب و روز کی دقت طرازی، محنت کوش اور نئے نئے آفاق کو سر کرنے کی مسلسل جستجو نے ”علامہ اعظمی“ کو عصر حاضر میں فن خطابت کا امام بنا دیا ہے۔ بلا شبہ خطیب اعظم کا سہرا انھیں کے سر سجتا ہے اور جماعت اہلِ سنت کے لیے ان کی یہ حیثیت گذشتہ نصف صدی سے وجہ افتخار بنی ہے۔ ان کا اسلوب خطاب اور طریقۂ استدلال بے حد دل نشیں اور موثر ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بات دل سے نکل رہی ہے اور دل ہی میں بیٹھ رہی ہے۔ وارفتگیِ شوق کے ہجوم میں یہ دلکش انداز وہی اختیار کر سکتا ہے جس کا دل ملت کے درد سے معمور ہو۔ جو لوازم ہنر سے آشنا اور فن کی اہمیت سے واقف کار ہو۔ دورانِ خطاب ان کا سائنٹفک اپروچ (Scientific Approach) ایجاد معانی کے مرحلے میں ان کا شریکِ سفر ہوتا ہے، جو سامع کے دل و دماغ پر گہرا اثر چھوڑتا ہے۔ وہ قدامت پسند اور روایتی اقدار کے حامل نہیں، بلکہ عصری تقاضوں سے ہم آہنگ، ایک بیدار مغز عالم دین اور بلا خیز خطیب ہیں۔ لفظوں کے انتخاب میں ان کی سادگی، برجستگی اور سہل ممتنع کے جواہرات سے مرصع ان کا اندازِ بیان سامعین کی دلچسپی کو آخری دم تک برقرار رکھتا ہے۔

عمدۃ المحققین خیر الاذکیا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی مدظلہ العالی سابق صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، لکھتے ہیں:

”جہاں تک مجھے یاد آتا ہے کہ علامہ قمر الزماں اعظمی کے نام اور شکل و صورت سے میں اس وقت آشنا ہوا جب حافظ ملت قدس سرہ نے دار العلوم اشرفیہ مصباح العلوم سے انھیں دستار فضیلت دی۔ غالباً ۱۰؍ شعبان ۱۳۸۴ھ کی تاریخ تھی اور میں اس وقت مدرسہ ضیاء العلوم خیر آباد ضلع اعظم گڑھ میں ابتدائی عربی کا طالب علم تھا۔ پھر جب میں نے اشرفیہ میں داخلہ لیا تو مبارکپور اور

قرب وجوار میں ان کی تقریریں سننے کا بار بار اتفاق ہوا۔ پوسٹروں میں ان کے نام کے ساتھ الجامعۃ الاسلامیہ روناہی ضلع فیض آباد درج ہوتا۔ اسی ذریعے سے روناہی اور الجامعۃ الاسلامیہ سے آشنائی ہوئی، ورنہ ہمارے دیار میں نہ قصبہ روناہی معروف و مشہور تھا نہ الجامعۃ الاسلامیہ، البتہ مولانا اعظمی کی تقریروں کا شہرہ ان کی فراغت کے دس سال کے اندر اندر ملک کے دور دراز اطراف واکناف میں ہوچکا تھا۔ ان کی تقریریں مدارس کے طلبا و علما کے ساتھ یونیورسٹیوں اور کالجوں کے طلبا و اساتذہ میں بھی مقبول تھیں۔ اس دور کے اکابر مثلاً سرکار مفتیِ اعظم قدس سرہ، برہانِ ملت مولانا سید شاہ برہان الحق جبل پوری، سید العلما مولانا سید شاہ آلِ مصطفیٰ مارہروی صدر سنی جمیعۃ العلما، حافظِ ملت مولانا شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی شیخ الحدیث دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور، مجاہدِ ملت مولانا شاہ حبیب الرحمٰن قادری رئیس اعظم اڑیسہ (علیہم الرحمۃ والرضوان) اور اوساط مثلاً شارحِ بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی، بلبلِ ہند مفتی رجب علی نانپاروی، پیرِ طریقت مولانا سید شاہ عبد الحق اعظمی مصباحی، فیض العارفین مولانا غلام آسی بلیاوی، رئیس القلم علامہ ارشد القادری، مولانا ابو الوفاء فصیحی غازی پوری، مجاہدِ دوراں مولانا سید مظفر حسین کچھوچھوی، خطیبِ مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی (علیہم الرحمہ)۔ پھر ان کے بعد بے شمار علما اور اصاغر سبھی مولانا قمر الزماں اعظمی کی علمی و ایمان افروز تقریروں کے قدر داں اور ان کی نیک طبعی، سلامت روی، حمیت دینی، بصیرت علمی اور قومی و جماعتی ہمدردی وغیرہ کمالات و محاسن سے متاثر تھے۔ جسے ان بزرگوں سے سند قبول حاصل ہوچکی ہو اس کے لیے میرے ستائشی کلمات کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی۔ حالاں کہ میں خود ان کے متعدّد اوصاف و خدمات سے بہت متاثر ہوں۔ خالص پور، مبارک پور، جمشید پور، محمد آباد گوہنہ وغیرہ مقامات پر بہت سی تفصیلی ملاقاتیں اور باتیں بھی رہی ہیں۔ بہت قریب سے میں نے انھیں دیکھا، جانچا، پرکھا اور سمجھا ہے۔ وہ نہ صرف اپنے مخلصانہ جذبات و خدمات، مذہبی و قومی سربلندی کے جوش وولولہ، کردار واخلاق کی بلندی وپاکیزگی، علمی گہرائی اور وسعت نظر وغیرہ متعدّد فضائل و محاسن کے اعتبار سے اپنے ہم عصروں بلکہ بہت سے پیش رووں سے بھی مجھے فائق اور ممتاز نظر آتے ہیں۔" (مقالات مصباحی، تاثراتی مضمون، ص:449،450)

"مفکرِ اسلام خطیب اعظم حضرت علامہ قمر الزماں اعظمی مدظلہ العالی" کا شمار اپنے من میں ڈوب کر سراغِ زندگی پاجانے والے مفکرین اور اربابِ فضل و کمال میں ہوتا ہے اور بلا شبہ ہماری جماعت میں "مفکر اسلام" کا بیش قیمت تمغہ بھی انھی کے نام ہے۔ ایک مفکر جمود وسکوت کے برخلاف حرکت وعمل کو جوہر حیات تسلیم کرتا ہے، وہ عالم تکوین کے مظاہر وعکوس کی تشریح و تعبیر کے لیے یقین، ایمان، عشق اور وجدان کا سہارا لیتا ہے۔ قرآن عظیم میں "علم" کا لفظ اپنے مختلف معانی میں شمار ہوا ہے۔ عالم و جاہل ایک دوسرے کے برابر نہیں ہوسکتے۔ علم حقیقی کے لیے وحی، ایمان اور ایقان کے مشتقات استعمال ہوئے ہیں اور اُس ایمان وایقان کی واضح لفظوں میں تحسین کی گئی ہے جو وحیِ الٰہی پر مبنی ہو۔ اسلام نے علم وعمل دونوں کو لازم وملزوم قرار دیا ہے۔ علم وعمل کے اسی لزوم نے مسلمانوں کو ایک نئی فکری جہت سے آشنائی عطا کی ہے۔ اور حکمت نام ہے دانائی کا، دانائی زندگی کے اعلیٰ ترین اقدار کی شناسائی اور اس کے فہم وادراک کے حصول کا نام ہے۔ یہ علم، ایمان، ایقان یا عقدہ انسان کے ظاہر و باطن کو سنوارتا ہے، اور اس کی زندگی میں ایک کلیت اور ہمہ گیریت پیدا کرتا ہے اور یہی دراصل فلسفہ وحکمت کا مقصود بھی ہے۔

"علامہ اعظمی" بحیثیت "مفکرِ اسلام" ان تمام خوبیوں کے جامع ہیں، ان کے تمام خطبات میں فلسفہ وحکمت اور ایمان وعقیدہ کی باہم آمیزش دور دور تک محسوس کی جاتی ہے اور اس کا مقصد صرف اور صرف سعادت ابدی کا حصول ہے۔ وہ اپنے خطبات میں مسلم نوجوانوں کو علم نافع کے حصول کی اکثر ترغیب

دیتے ہیں، جس کے ذریعے سے دنیا و آخرت میں فلاح و نجات کی منزل میسر آتی ہے۔ ان کے یہاں علم برائے علم کا کوئی تصور نہیں، جب تک کہ علم براہِ راست عمل سے مربوط نہ ہو۔ وہ علم و عمل، تہذیب و اخلاق، فلسفہ و حکمت اور عقائد و نظریات کی تعمیر ان بنیادوں پر استوار کرنے کی دعوت دیتے ہیں جس کا تعلق مکین گنبد خضرا ﷺ کائنات کے قدم ناز سے وابستہ ہو۔

پروفیسر سید شاہ فرید الحق (یکم جولائی ۱۹۲۲ء-۲۶/دسمبر ۲۰۱۱ء) اپنے پہلے "تاریخ ساز عالمی سفر نامہ" میں لکھتے ہیں کہ:

"ورلڈ اسلامک مشن انگلینڈ نے Shearbridgerd Bardford پر ایک چرچ خرید کر اسلامک مشنری کالج میں تبدیل کر دیا ہے۔ سردی اپنے شباب پر تھی، بادل چھائے ہوئے تھے، اور بارش ہو رہی تھی، کالج کی عمارت دیکھ ہمیں بہت خوشی ہوئی۔ مشنری کالج کی عمارت میں چھوٹے بڑے اٹھارہ کمرے ہیں۔ ان کے علاوہ دو بڑے ہال اور ایک میٹنگ روم بھی ہے۔ جس میں اوپر نیچے ایک ہزار افراد بیٹھ سکتے ہیں۔ دوسرا حال مسجد میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ علامہ ارشد القادری جنرل سیکریٹری ورلڈ اسلامک مشن کی حیثیت سے عمارت کے اس حصے میں قیام پذیر ہیں، جہاں پہلے عیسائیوں کا پادری رہا کرتا تھا۔ عیسائیوں کی دینی بے حسی کا عالم یہ ہے کہ اب وہ اپنی عبادت گاہوں کو بیچ رہے ہیں۔ یورپ کی دنیا اتنے زبردست اخلاقی بحران میں مبتلا ہے کہ پوری قوم مادیت کے چکر میں اپنا سب کچھ کھو چکی ہے۔ علامہ شاہ احمد نورانی اور مولانا عبد الستار خاں نیازی کو ایک کمرے میں ٹھہرایا گیا تھا۔ میرے ساتھ مولانا قمر الزماں اعظمی صاحب تھے جو حال ہی میں بھارت سے تشریف لائے ہیں، ان سے مل کر خوشی ہوئی، ذی علم اور پروقار عالمِ دین ہیں، نوجوان ہیں اور بے پناہ صلاحیتوں کے حامل ہیں، اچھی تقریر کرتے ہیں اور ورلڈ اسلامک مشن کا کام سنبھالے ہوئے ہیں۔" (پہلا تاریخ ساز عالمی سفر نامہ، ص: 71)

واضح رہے کہ ورلڈ اسلامک مشن کا پہلا کنونشن بریڈ فورڈ انگلینڈ میں منعقد کیا گیا، جس میں پاکستان، ہندوستان، عراق، یمن، برطانیہ، افریقہ، یورپ اور دیگر اسلامی ممالک سے تقریباً پانچ ہزار مندوبین شریک ہوئے۔ مولانا شاہ احمد نورانی کو صدر اور پیر معروف حسین نوشاہی نائب صدر منتخب کیے گئے، جب کہ علامہ ارشد القادری جنرل سیکریٹری نامزد کیے گئے۔ مذکورہ کنونشن 12 اپریل 1974ء کو بریڈ فورڈ انگلینڈ کے سینٹ جارج ہال میں ایک عظیم الشان عالمی کانفرنس کی حیثیت سے ہوئی اور جس کی صدارت مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی نے فرمائی تھی۔ اس وقت ورلڈ اسلامک مشن کا صدر دفتر مانچسٹر انگلینڈ میں ہے، اور مفکر اسلام علامہ قمر الزماں اعظمی کی سرپرستی میں امریکہ و یورپ کے مختلف ملکوں میں سرگرم عمل ہے۔ جب کہ مندرجہ ذیل اداروں کے قابل رشک مناصب پر وہ فائز ہیں۔

(1)- سیکریٹری جنرل ورلڈ اسلامک مشن انگلینڈ۔ (2)- سربراہِ اعلیٰ و بانی الجامعۃ الاسلامیہ، روناہی، فیض آباد (یوپی) انڈیا۔ (3)- بانی و خطیب اعظم انوار الحرمین مسجد، مانچسٹر، برطانیہ۔ (4)- نائب صدر جامعہ مدینۃ الاسلام، ہالینڈ۔ (5)- ٹرسٹی النور سوسائٹی، ہیوسٹن، امریکہ۔ (6)- ٹرسٹی ورلڈ اسلامک مشن، کینڈا۔ (7)- سرپرست سنی دعوتِ اسلامی، بمبئی (انڈیا) (8)- بانی الفلاح یوتھ موومینٹ، بریڈ فورڈ، انگلینڈ۔

مشہور محقق علامہ یٰسین اختر مصباحی رقم طراز ہیں:

"علم کے شناور، بصیرت کے پیکر، دعوت کے رمز آشنا، خطابت کے اداشناس، سوچیں تو نئے آفاق روشن ہوں۔ بولیں تو لبوں سے پھول جھڑیں۔ چلیں تو خاشع و متواضع مرد مومن کی شان عبودیت کے ساتھ، اور بیٹھیں تو قافلے کا قافلہ ان کے گرد و پیش خیمہ زن ہو جائے۔ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ کے ممتاز اور قابلِ فخر فرزند حضور حافظِ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کے چہیتے شاگرد حضور مفتیِ اعظم ہند قدس سرہ کے جاں نثار مرید و خلیفہ اور سوادِ اعظم اہلِ سنت و جماعت کے معتمد عالم و بلند پایہ مفکر و قائد اور

بے نظیر داعی و خطیب جن کا وجود اکابر و متقدمین کی یادگار اور جن کے نقوش قدم اخلاف متاخرین کے لیے سنگ میل اور فانوس ہدایت، علم و عمل، فکر و خطابت اور دعوت و ہدایت کا وہ پیکر جمیل جس پر ہندوستان کو ناز اور برطانیہ کو فخر ہے۔ جس کی اثر انگیز دعوت اور سحر انگیز خطابت ایشیا و یورپ و امریکہ کے ایک بڑے حلقے کو مسخر اور اسیر بنائے۔" (تجلیات قمر، ص:287، رضا اکیڈمی، بمبئی)

"سینہ روشن ہو تو ہے سوزِ سخن عینِ حیات" مفکر اسلام خطیب اعظم علامہ قمر الزماں اعظمی اردو، فارسی، عربی اور انگریزی جیسی عالمی زبانوں کے بہترین ادیب اور ناقد بھی ہیں۔ اس کا دامن صنفِ سخن ادب کے بڑے قیمتی اور درخشاں خزانوں سے مالا مال ہے۔ ان کے خطبات اردو زبان و ادب کا عظیم شاہکار ہیں، جس میں ایجاز اور تنوع، جامعیت اور وسعت، آہنگ اور لہجہ، معنویت پسندی ادراکِ حیات اور ابلاغ سے پر استعارے نظر آتے ہیں۔ انسانی زندگی میں خوش کلامی کا ایک بڑا ہی منفرد مقام ہے، یہ ایک طرف انسانی تعلقات استوار اور مستحکم کرنے کا ذریعہ ہے۔ تو دوسری طرف یہ ان تعلقات کی کمیت اور کیفیت کا آئینہ دار ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ بیک وقت فکر، جذبات، احساسات اور شخصیت کے اظہار کا ایک فطری اور موثر آلہ ہے۔ ایک خطیب کے لیے ضروری ہے کہ وہ باضابطہ ایک ادیب بھی ہو، خطیب کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ وہ افراد انسانی کے مابین درجہ بدرجہ ربط و تعلق و احساسات اور افکار و نظریات کے اظہار کی فطری اور حقیقی داعیات کو پیدا کرتا ہے۔ ان کے ذریعے سے ذاتی تعلقات، فکری مباحث، معاملات زندگی اور معاشرتی و ثقافتی روابط کی بنیادیں مستحکم کی جاتی ہیں۔ "مفکر اسلام علامہ اعظمی" کے خطبات کا اگر غائرانہ جائزہ لیا جائے تو یہ بات ارباب بست و کشادہ پر واضح ہوتی ہے کہ انھوں نے حیاتِ انسانی کے بیشتر پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے۔ ان کے خطبات کے زر نگار آئینے میں مذہبی و مسلکی ترجیحات، محبت رسول کے پاکیزہ عناصر، عشق و سرمستی کے جذبات سے لے کر فلسفیانہ امور، ادبی نکات، عالمی و ملکی مسائل کا تجزیہ عکس در عکس نظر آتا ہے۔ اس میں قطعی دو رائے نہیں کہ علامہ اعظمی کی خطابت کا آفاق ادبی و علمی کہکشاؤں کے جمالیاتی رنگ و آہنگ سے آباد ہے۔ انھوں نے فن خطابت کو مذہبی ادب اور دانش حاضر ہر دو اعتبار سے ایک قیمتی اور لازوال سرمایۂ حیات بنا دیا ہے۔ جس میں سوزِ دل، جذبۂ جنوں، غمِ جاناں، ملت اسلامیہ کی زبوں حال، علمائے اہلِ سنت کا عدمِ اتحاد اور مسلم ممالک کا آپسی انتشار اور سیاسی زوال کا بھرپور تذکرہ ہے، انھوں نے عالمی منظر نامے میں مسلمانوں کی اجتماعی بدحالی اور شکست و ریخت کا بھرپور جائزہ پیش کیا ہے، خطاب فکری مسائل، نظریاتی مباحث اور قومی و ملی تفہیم کا مرقع ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کسی کانفرنس میں آپ کی شرکت اس کی کامیابی کی ضمانت بن جاتی ہے۔ وہ اس حوالے سے عصر حاضر میں مقامِ اختصاص پر جلوہ گر ہیں، بڑی عرق ریزی سے ان کے خطبات کے مجموعے کو "خطبات مفکر اسلام" کے نام سے ۳ر ضخیم جلدوں میں جمع کیا گیا ہے۔ جب کہ سیکڑوں اہم موضوعات پر ان کی تقریریں پرانی کیسٹوں میں ہیں۔ جو سنی دعوتِ اسلامی بمبئی کے مکتبۂ طیبہ کی لائبریری میں محفوظ ہیں۔ اے کاش کہ اگر 1970ء سے لے کر 1985ء کے درمیان کی تقریریں بھی اگر محفوظ کر لی جاتیں تو ایک علمی ذخیرہ ہمارے پاس محفوظ ہوتا، مگر ایسا نہ ہو سکا۔

تلاش بسیار کے باوجود عرس چہلم حضور مفتی اعظم ہند، مسلم پرسنل لاء کانفرنس لکھنؤ، مسلم پرسنل لاء کانفرنس، سیوان، بہار، مسلم پرسنل لاء کانفرنس رائے بریلی، سرکارِ مدینہ کانفرنس، ٹکیہ پاڑہ، ہوڑہ، دیارِ حبیب کانفرنس کلکتہ، معراج کانفرنس کلکتہ، تعلیمی کانفرنس مبارکپور، جمال طیبہ کانفرنس کلکتہ، سیرت کانفرنس سہسرام، سنی کانفرنس بنارس، ادارہ شریعہ کانفرنس جمشید پور، پٹنہ، رانچی، عرس رضوی بریلی شریف، ناگپور، جبل پور، کانپور اور مدھیہ پردیش کی اہم اور تاریخ ساز کانفرنسوں کی

ریکارڈنگ مجھے نہیں مل سکی جس کا مجھے بے حد ملال ہے۔ خدا کرے کہ یہ قیمتی اثاثے کسی صاحب قدر کے پاس محفوظ ہوں۔ یقین جانیں کہ اگر خطبات مفکر اسلام کا یہ خزانہ فصاحت و بلاغت، معنویت و مقصدیت اور علم و فن کا گنج گراں مایہ نہ ہوتا تو دنیائے علم و ادب اپنی فکری افلاس کا نوحہ کرتی اور آنے والی نسلیں اپنے تہذیبی، تمدنی، اخلاقی اور دینی ورثے کے بڑے قیمتی حصے سے محروم ہوجاتیں۔ بلا شبہ علامہ اعظمی نے گیسوئے اردو کو سنوارنے اور آبروئے علم و فن کو جلا دینے میں جو اپنا خون جگر دیا ہے اسے مستقبل کا انصاف پسند مؤرخ ہرگز فراموش نہیں کرسکتا۔

"مفکرِ اسلام علامہ قمر الزماں اعظمی" کی قابلِ رشک زندگی کے خدّ و خال، ترجیحات اور ان کے عظیم مقاصد حیات خود ان کے خطبات سے روشن ہیں۔ انھوں نے اپنی زندگی کی ہر منزل اور اپنے دل و دماغ کے ہر تاثر کو اپنے لفظوں میں بیان کر دیا ہے۔ ان کی زندگی کا مقصد یہ رہا ہے کہ ملت اسلامیہ کو زوال کی راہوں سے نکال کر عروج و ارتقا کی راہوں پر گام زن کیا جائے تاکہ نوجوانوں میں عقابی شان و شوکت پیدا ہو۔ وہ چاہتے ہیں کہ دامنِ ہستی سے غفلت، تساہل اور بدکرداری کے داغ دھل جائیں اور اس کے خاک سے عزم و استقامت کا نیا آسمان تعمیر ہو اور اس مقصد کے لیے انھوں نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ حرکت و عمل کے نام وقف کر دیا ہے۔

"مفکرِ اسلام حضرت علامہ قمر الزماں اعظمی مدظلہ العالی" کے حوالے سے رئیس التحریر حضرت علامہ محمد وارث جمال قادری صدر آج انڈیا تبلیغ سیرت بمبئی لکھتے ہیں کہ:

"مبلغ دین و سنیت حضرت علامہ قمر الزماں اعظمی سواد اعظم اہل سنت و جماعت کے بالغ نظر، حسّاس، صاحب سوز دروں، مخلص اور ایک باعمل بلند پایہ عالمِ دین ہیں۔ آپ کی علمی دینی، ملی، فکری، تبلیغی خدمات کا دائرہ ایشیا سے یورپ و افریقہ و امریکہ تک پھیلا ہوا ہے۔ اور ان کی خدماتِ دینی تقریباً دنیا کے تمام براعظموں کو فیض یاب کر رہی ہے۔ عالمی سطح پر اہلِ سنت و جماعت میں من کل الجہات اتنا قد آور اور ہندوستانی عالم دین کوئی دوسرا اس وقت نظر نہیں آتا۔ ان کی تمام تر خدمات دینی پوری تفصیل کے ساتھ یکجا کی جائے تو کئی جلدیں تیار ہو سکتی ہیں۔"

مجھے یہاں اس بات کے کہنے سے کوئی گریز نہیں کہ میں نے "خطبات اعظمی" کے ساتھ ساتھ "خطبات ابوالکلام آزاد" کا بھی بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے، بعض حلقوں میں مولانا آزاد کی زبان دانی اور ان کے خطبات کا برے شدّ و مد کے تذکرہ کیا جاتا ہے مگر جو فکر، تخیل اور لفظوں کا برمحل انتخاب مجھے علامہ اعظمی کے ہاں نظر آیا وہ کہیں اور دیکھنے میں نہیں آیا۔

علامہ قمر الزماں اعظمی اپنے وقیع خطبات کے بے شمار مقامات سے گزرتے ہوئے ذاتی جذبات و احساسات کی حرارت کے ساتھ ساتھ حیات و کائنات کے ہزاروں موضوعات پر اپنی فکر انگیز اور قیمتی آرا کا اظہار کیا ہے۔ جہاں تحریکی و تنظیمی مسائل کی عقدہ کشائی ہے۔ ملت بیضاء کی شیرازہ بندیوں پر سوز دروں اور روح کی بے چینی کی جھلکیاں ہیں۔ دین و سیاست پر اظہارِ خیال ہے، فلسفہ اور ادب پر گراں قدر گفتگو ہے اور ارباب اقتدار کا احتساب بھی ہے، ساتھ ہی اسلوب بیان کی انفرادیت، ہر ہر جملے سے حسن ادب کا انعکاس، بلا کی روانی، سامعین کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتی ہے۔ وہ دہر میں اسم محمد سے اُجالا کرنا چاہتے ہیں، وہ ایک داعی الی اللہ ہیں جو اقطار عالم کے ہر گوشے میں دعوتِ حق کی ترسیل و ابلاغ کو اپنا فریضۂ منصبی تصور کرتے ہیں اور ان کا جذبۂ دل ایک نئی دنیا کی تعمیر کے لیے جسم و جاں کی بازی لگانے کا حوصلہ رکھتا ہے۔

آئینۂ عالم

سوڈان کی خانہ جنگی

انسانی نظام کا سقوط اور عام شہریوں کی بدحالی

محمد فداء المصطفیٰ قادری

سوڈان، جو افریقہ کے سب سے بڑے اور مختلف ثقافتوں والے ملکوں میں شمار ہوتا ہے، اپریل 2023 سے ایک تباہ کن خانہ جنگی کی لپیٹ میں ہے۔ یہ جنگ سوڈانی فوج (SAF) اور نیم فوجی ریپڈ سپورٹ فورسز (RSF) کے درمیان جاری ہے، اور اس نے انسانیت کو ایسے المیے سے دوچار کیا ہے جس کی مثال تاریخ میں کم ہی ملتی ہے۔ اگرچہ سوڈان کا یہ سانحہ نوعیت کے اعتبار سے فلسطین کے حالات سے مختلف ہے، مگر دونوں جگہوں پر عام انسانوں کی تکلیف، بربادی اور جان کا نقصان ہمیں ایک ہی طرح کا درد محسوس کراتا ہے۔

سوڈان کی اس جنگ کی خاص بات یہ ہے کہ یہاں باہمی دشمنی کسی بیرونی طاقت یا مذہبی اختلاف کی بنیاد پر نہیں، بلکہ ایک ہی ملک کے دو طاقتور گروہوں کے درمیان ہے۔ یہ لڑائی بنیادی طور پر سیاسی ہے، مذہبی نہیں۔ تاہم چونکہ ملک کی تقریباً 97 فیصد آبادی مسلمان ہے، اس لیے سب سے زیادہ اثر بھی بے گناہ مسلمان شہریوں ہی پر پڑ رہا ہے۔ دو سال سے زیادہ عرصے سے جاری اس جنگ نے گھروں کو اجاڑ دیا، خاندانوں کو بکھیر دیا اور ملک کے بنیادی اداروں اور ڈھانچے کو تباہ کر دیا۔ لاکھوں لوگ بھوک، بے گھری، بیماری اور بنیادی سہولتوں کی کمی کا شکار ہیں۔ اقوام متحدہ کی رپورٹوں کے مطابق ایک کروڑ سے زیادہ افراد اپنے گھروں سے بے دخل ہو چکے ہیں جو دنیا کے سب سے بڑے نقل مکانی کے بحرانوں میں سے ایک ہے۔

اس مضمون میں 2023 سے 2025 تک جاری سوڈانی خانہ جنگی کا ایک جامع اور حقیقت پر مبنی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اس میں تنازع کی وجوہات، اس کی پیش رفت، انسانی سطح پر اس کے اثرات، سیاسی و عسکری پہلو، عالمی برادری کا ردِ عمل، اور ان عام سوڈانی مسلمانوں کی روزمرہ زندگی شامل ہے جو اس جنگ کی آگ میں جل رہے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ اس المیے کو محض اعداد و شمار کی صورت میں نہ دیکھیں، بلکہ انسانی دکھ کی ایک سچی تصویر سامنے رکھیں تاکہ دنیا اس دورِ جدید کے سب سے دردناک سانحوں میں سے ایک کو دل کی گہرائیوں سے محسوس کر سکے۔

پس منظر: سوڈان میں موجودہ لڑائی کی جڑیں اس کی اُلجھی ہوئی سیاسی تاریخ میں پیوست ہیں۔ برسوں تک صدر عمر البشیر کی سخت حکومت رہی، مگر عوامی احتجاج نے 2019 میں انھیں اقتدار سے ہٹا دیا۔ اس کے بعد ایک کمزور سا عبوری نظام قائم ہوا جس میں عام شہریوں کے نمائندے اور فوجی رہنما دونوں شامل تھے، اور سب نے وعدہ کیا تھا کہ ملک کو جمہوری راستے پر لایا جائے گا۔ مگر زیادہ وقت نہ گزرا کہ فوجی اور شہری قیادت کے درمیان اختلافات سامنے آنے لگے۔ فوج کے دو بااثر ترین افراد جنرل عبدالفتاح البرہان، جو سوڈانی فوج (SAF) کے سربراہ ہیں، اور جنرل محمد حمدان دگالو، جنھیں ہمدتی کے نام سے جانا جاتا ہے اور جو ریپڈ سپورٹ فورسز (RSF) کے کمانڈر ہیں رفتہ رفتہ ایک دوسرے کے بڑے حریف بن گئے۔

اکتوبر 2021 میں جنرل برہان نے اچانک بغاوت کر دی، عبوری حکومت کو ختم کر دیا اور کئی شہری رہنماؤں کو گرفتار کر لیا۔ انھوں نے دعویٰ کیا کہ یہ اقدام ”انتقالِ اقتدار کو درست راستے پر لانے“ کے لیے ہے، مگر اس سے فوج کے اندر مزید

پھوٹ پڑگئی اور عوام بھی سخت ناراض ہوئے۔ دوسری طرف RSF، جو دراصل 2000 کی دہائی میں دارفور میں سرگرم جنجوید ملیشیا سے ابھری تھی، مسلسل طاقت حاصل کرتی گئی۔ سونے کی کانوں پر قبضے اور مالی وسائل کی وجہ سے یہ فورس ایک الگ ہی فوج کی شکل اختیار کرتی چلی گئی۔ جب RSF کو قومی فوج میں شامل کرنے کی کوششیں ناکام ہوئیں، تو اپریل 2023 میں یہ رقابت کھلی جنگ میں بدل گئی۔ لڑائی سب سے پہلے دارالحکومت خرطوم میں شروع ہوئی، جہاں RSF نے اہم فوجی ٹھکانوں پر بیک وقت حملے کیے۔ جلد ہی تشدد دارفور، کردفان اور مشرقی سوڈان کے کئی علاقوں تک پھیل گیا۔

2024 کے وسط تک دونوں گروہوں نے اپنے اپنے علاقوں میں الگ الگ کنٹرول قائم کر لیا۔ SAF نے مرکزی اور مشرقی سوڈان کے کچھ حصوں پر اثر قائم رکھا، جبکہ RSF نے دارفور اور مغربی علاقوں میں اپنی گرفت مضبوط کرلی۔ ملک کا یوں بکھر جانا حکومت کو تقریباً مفلوج کر چکا ہے، اور لاکھوں لوگ ایسے علاقوں میں پھنسے ہوئے ہیں جہاں خوراک، علاج اور دیگر ضروری سہولتیں تقریباً ناپید ہیں۔ یہ جنگ صرف سیاسی ٹکراؤ نہیں بلکہ شناخت، طاقت اور وسائل کی لڑائی بھی ہے۔ سوڈان کی ثقافتی اور علاقائی تقسیم پہلے ہی بہت پرانی ہے، جہاں عرب نژاد طبقے اور محروم غیر عرب برادریوں کے درمیان شکایات ہمیشہ سے موجود رہی ہیں۔ دارفور میں غیر عرب مسلمان گروہوں پر RSF کے حملوں کے الزامات نے ایک بار پھر نسل کشی کے خدشات کو جنم دے دیا ہے، جو 2000 کی دہائی کے المناک واقعات کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ یہ خانہ جنگی صرف سیاسی بحران نہیں بلکہ گہرے سماجی زخموں اور پرانی ناانصافیوں کا نتیجہ بھی ہے جو آج ایک خوفناک انسانی المیے کی شکل اختیار کر چکا ہے۔

انسانی نسل کشی اور مسلمانوں پر اثرات: سوڈان کی خانہ جنگی نے انسانی تباہی کی ایسی تصویر کھینچی ہے جو ناقابل بیان ہے۔ ملک کی تقریباً پانچ کروڑ آبادی میں سے آدھے سے زیادہ لوگ اب زندگی کے بنیادی سہاروں کے محتاج ہیں۔ بازار، اسپتال، اسکول اور ٹرانسپورٹ کا نظام تباہ ہو چکا ہے، اور لاکھوں لوگ امداد کے انتظار میں ہیں لیکن جنگ کے باعث یہ امداد اکثر ان تک پہنچ نہیں پاتی۔ تقریباً ایک کروڑ 80 لاکھ افراد شدید غذائی قلت کا شکار ہیں، اور کئی علاقوں میں قحط جیسی کیفیت پیدا ہو چکی ہے۔ شمالی دارفور میں بہت سے خاندان ایک وقت کے کھانے پر گزارا کر رہے ہیں، وہ بھی جنگلی دانوں یا پتے ابال کر۔ بھوک ایک خوفناک حقیقت بن گئی ہے، خصوصاً بچوں کے لیے۔ یو این آئی سی ای ایف کے مطابق تین لاکھ نہیں بلکہ تین ملین بچے شدید غذائی کمی میں مبتلا ہیں، اور سات لاکھ بچے فوری مدد نہ ملنے پر جان سے ہاتھ دھو سکتے ہیں۔

سب سے زیادہ مصیبت عام لوگ کسان، دکاندار، ماں باپ اور بچے جھیل رہے ہیں۔ سوڈان کی وہ سماجی اور مذہبی روایات جو اسلام کی بنیاد پر باہمی مدد اور سخاوت پر مشتمل تھیں، جنگ نے انھیں چکنا چور کر دیا۔ مسلم بستیوں کو آگ لگا دی گئی، متعدّد مساجد کو تباہ کیا گیا۔ دارفور میں غیر عرب مسلمان قبائل، خصوصاً مسالیت برادری، بڑے پیمانے پر قتلِ عام اور جبری ہجرت کا نشانہ بنی۔ 2025 کے شروع میں امریکی حکومت نے تصدیق کی کہ RSF سے منسلک ملیشیائیں دارفور میں نسل کشی جیسے حملے کر چکی ہیں۔ عینی شاہدین کے مطابق مردوں کو ان کے اہلِ خانہ کے سامنے قتل کیا گیا، عورتوں کو جنسی تشدد کا نشانہ بنایا گیا، اور بچے بھاگتے ہوئے والدین سے بچھڑ گئے۔

براہِ راست تشدد کے علاوہ صحت اور تعلیم کے نظام کا ڈھ جانا لوگوں کی تکلیف میں مزید اضافہ کر رہا ہے۔ جنگ سے متاثرہ علاقوں کے 80 فیصد سے زیادہ اسپتال بند پڑے ہیں۔ صاف پانی اور صفائی نہ ہونے کے باعث ہیضہ، خسرہ اور ملیریا تیزی سے پھیل رہے ہیں۔ مذہبی فلاحی ادارے اور مقامی مسلم تنظیمیں، جو ہمیشہ لوگوں کی مدد میں آگے رہتی تھیں، اب شدید بدامنی کی وجہ سے اپنا کام جاری نہیں رکھ پا رہے ہیں۔ رمضان اور عید، جو کبھی خوشیوں اور میل جول کے دن تھے، آج بہت

سے علاقوں میں غم اور سوگ بن گئے ہیں۔ بے گھر کیمپوں میں امام صفیں بنا کر ان لوگوں کی نمازِ جنازہ پڑھاتے ہیں جو بھوک یا بیماری سے زندگی ہار گئے۔ بین الاقوامی امدادی ادارے بھی انتہائی خطرناک حالات میں جدوجہد کر رہے ہیں۔ امدادی قافلے لوٹ لیے جاتے ہیں، اور امدادی کارکنوں پر دونوں طرف سے حملے ہوتے ہیں۔ عالمی غذائی پروگرام (WFP) کے کئی گوداموں پر حملے ہو چکے ہیں جن میں ہزاروں ٹن خوراک ضائع ہو گئی۔ چونکہ دونوں فریق امداد کی رسائی کو جنگی ہتھیار کے طور پر استعمال کر رہے ہیں، اس لیے لاکھوں لوگ آج بھی مدد تک پہنچنے سے محروم ہیں۔ یوں سوڈان کے مسلمانوں کی تکلیف صرف جنگ کا نتیجہ نہیں، بلکہ وہ پالیسیوں اور کارروائیوں سے بھی بڑھ رہی ہے جو دانستہ طور پر خوراک، علاج اور انسانی امداد کو روک رہی ہیں اور یہی بات اس المیے کو مزید سنگین بنا دیتی ہے۔

سیاسی و عسکری منظرنامہ: سوڈان میں جنگ کے آغاز سے ہی ملک کا عسکری نقشہ تیزی سے بدلنا شروع ہوا۔ شروع شروع میں RSF نے خرطوم سمیت کئی شہروں میں قدم جما لیا۔ ان کا طریقہ کار تیز رفتاری، اچانک حملے اور گوریلا طرز کی جنگ تھی، جس نے انھیں شہری علاقوں میں واضح برتری دی۔ جواب میں سرکاری فوج (SAF) نے زمینی توپ خانے اور فضائی بمباری کا سہارا لیا، مگر اس سے پورے علاقے کھنڈرات میں بدل گئے۔ بے شمار شہری ان دونوں کے درمیان پس کر گھروں سے نکلنے پر مجبور ہوئے۔ 2024 کے آغاز تک ملک عملی طور پر دو حصوں میں بٹ گیا: RSF دارفور اور خرطوم کے کچھ حصوں پر قابض رہی جبکہ SAF مشرق میں مضبوط پوزیشن سنبھالے رہی۔ جنگ کو بڑھانے میں بیرونی ہاتھ بھی اہم کردار ادا کر رہی ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ مصر اور ایران SAF کی پشت پر ہیں، اور دوسری طرف RSF کو متحدہ عرب امارات اور روس کی ویگنر فورسز کا تعاون حاصل ہے۔ RSF کے پاس سونے کی تجارت پر کنٹرول بھی ایک بڑی مالی طاقت ہے۔ اس طرح کی بین الاقوامی مداخلت نے جنگ کو ایک علاقائی پراکسی تنازع میں بدلنے کا خطرہ پیدا کر دیا ہے، جس سے امن کے امکانات مزید دھندلا گئے ہیں۔

سیاسی میدان میں دونوں فریق خود کو ملک کی اصل قیادت قرار دیتے ہیں۔ SAF کا کہنا ہے کہ وہ پورٹ سوڈان سے ملکی اتحاد اور ریاست کے وجود کا دفاع کر رہی ہے۔ RSF اپنے آپ کو ہمیشہ سے محروم اور نظرانداز علاقوں کی نمائندہ فورس کے طور پر پیش کرتی ہے۔ لیکن دونوں پر ظلم، کرپشن اور انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں کے الزامات موجود ہیں۔ جمہوریت کے حامی شہری گروہ جو کبھی سوڈان کی امید سمجھی جاتی تھی اب یا تو خاموش کرا دی گئی ہے یا کمزور پڑ چکی ہے۔ افریقی یونین، امریکہ اور سعودی عرب کی وساطت سے کئی بار جنگ بندی کی بات چیت ہوئی، خاص طور پر جدہ میں، مگر کوئی ٹھوس پیش رفت نہ ہو سکی۔

اس سیاسی جمود نے ملک کی انتظامیہ اور معیشت کو تباہی کے دہانے پر پہنچا دیا ہے۔ حکومتی ڈھانچہ تقریباً مفلوج ہو چکا ہے، اور کئی علاقے اپنی الگ حکمرانی پر چل رہے ہیں۔ مہنگائی 250 فیصد سے زیادہ ہو چکی ہے، کرنسی بے قدر ہو گئی ہے، اور اساتذہ و ڈاکٹروں سمیت سرکاری ملازمین کو مہینوں سے تنخواہیں نہیں مل رہیں۔ ریاستی کمزوری نے سرحدی علاقوں میں ہتھیاروں کی اسمگلنگ اور مسلح گروہوں کو پھلنے پھولنے کا موقع دے دیا ہے۔ سوڈان اب پوری طرح ایک ایسے بحران میں ہے جہاں ریاست کے مکمل طور پر ٹوٹنے کا شدید خطرہ واضح نظر آ رہا ہے اور اس کا اثر پورے ہارن آف افریقہ کے استحکام تک پھیل سکتا ہے۔

بین الاقوامی ردِعمل اور امن کی راہ میں حائل رکاوٹیں:

سوڈان کے تنازعے نے پوری دنیا کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی ہے، اور بین الاقوامی اداروں، حکومتوں اور ثالثوں نے گہری تشویش کا اظہار کیا ہے۔ لیکن متعدد بیانات اور کوششوں کے باوجود عملی اثرات کافی محدود رہے ہیں۔ اقوام متحدہ، افریقی یونین اور عرب لیگ جیسے ادارے بار بار جنگ بندی، محفوظ انسانی راہداریوں اور شہریوں کے تحفظ کی اپیلیں کر رہے ہیں۔

مصر، چاڈ اور جنوبی سوڈان جیسے ہمسایہ ممالک نے لاکھوں بے گھر سوڈانیوں کے لیے اپنی سرحدیں کھول دی ہیں۔ آج مشرقی چاڈ میں 15 لاکھ سے زیادہ پناہ گزین انتہائی مشکل حالات میں زندگی گزار رہے ہیں، جن میں سے بیشتر خیموں میں رہتے ہیں اور مناسب خوراک، علاج اور بنیادی ضروریات سے محروم ہیں۔

اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل میں مداخلت کے معاملے پر بحث تو بہت ہوئی ہے، لیکن عالمی طاقتوں کے باہمی اختلافات نے کسی مضبوط اور فیصلہ کن اقدام کو روکے رکھا ہے۔ مغربی ممالک نے تشدد میں ملوث چند افراد پر پابندیاں عائد کی ہیں، جبکہ خلیجی ریاستیں لڑنے والے دونوں فریقوں کے درمیان مصالحت کرانے کی کوششوں میں مصروف رہی ہیں۔ مگر چونکہ کئی ملکوں کے اپنے سیاسی مفادات آپس میں ٹکراتے ہیں، اس لیے مشترکہ عالمی کوششیں کمزور پڑ گئی ہیں۔

انسانی حقوق کی تنظیموں نے بین الاقوامی فوجداری عدالت (ICC) سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ قتلِ عام، ظلم و زیادتی اور انسانیت کے خلاف جرائم کی تحقیقات کرے۔ ICC کے پراسیکیوٹر نے خبردار کیا ہے کہ اگر ثبوت بڑھتے رہے تو دونوں فریقوں کے اعلیٰ رہنماؤں کے خلاف مقدمات قائم ہو سکتے ہیں۔ مگر انصاف کی راہ ابھی بھی دور ہے، کیونکہ دونوں اعلیٰ طاقت رکھتے ہیں اور بین الاقوامی دباؤ کو قبول کرنے سے ہچکچا رہے ہیں۔ دوسری طرف بھوک، بیماری اور بڑے پیمانے پر ہجرت جیسے شدید انسانی بحران نے جواب دہی کی ضرورت کو پسِ پشت ڈال دیا ہے۔

دنیا بھر کے مذہبی ادارے، خصوصاً بڑے مسلم تنظیمیں، سوڈانی عوام کے ساتھ اظہارِ یکجہتی کر رہے ہیں۔ دعا، صدقے اور روزے کی اپیلیں خاص مواقع پر بڑی تعداد میں کی جا رہی ہیں۔ لیکن محفوظ رسائی اور مستقل فنڈنگ کے بغیر عالمی ہمدردی بھی عملی مدد میں تبدیل نہیں ہو پا رہی۔ بین الاقوامی برادری کے سامنے سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ اخلاقی تشویش کو حقیقی، منظم اور مؤثر عمل میں کیسے بدلا جائے ایسا عمل جو سوڈان میں امن کو آگے بڑھائے، شہریوں کی حفاظت کرے اور ملک کی بحالی میں مددگار ثابت ہو۔

زمینی حقیقت: جب ہم خبروں اور سیاسی تجزیوں سے ہٹ کر زمین کی حقیقت دیکھتے ہیں تو وہاں ہمیں خوف، بھوک اور امید کے بیچ جیتے ہوئے لوگ ملتے ہیں۔ نیالا کے ایک کیمپ میں فاطمہ نامی ایک بے گھر ماں لرزتی ہوئی آواز میں اپنا دکھ سناتی ہے۔ لڑائی نے اس کے گاؤں کو جلا دیا، اس کے شوہر کو اس کی آنکھوں کے سامنے مار دیا گیا، اور وہ اپنے دو چھوٹے بچوں کو اٹھا کر تین دن تک دھوپ، پیاس اور ڈر کے سائے میں چلتی رہی تاکہ کہیں پناہ مل سکے۔ وہ کہتی ہے: ”ہماری تھالی خالی تھی، جنگلی پھلوں پر گزارہ کیا۔ امن کی دعا آج بھی زبان پر ہے، لیکن رات ہوتے ہی گولیوں کی گونج دل دہلا دیتی ہے۔“

شمالی دارفور کے ایک اور کیمپ میں احمد نام کا چودہ سالہ لڑکا لوگوں میں کھانا بانٹنے میں مدد کرتا ہے۔ اس کے چہرے کی معصومیت میں چھپا دکھ صاف محسوس ہوتا ہے۔ وہ کبھی ڈاکٹر بننے کا خواب دیکھتا تھا، مگر اس کا اسکول ملبے کا ڈھیر بن چکا ہے۔ وہ دھیرے سے کہتا ہے: ”جب جہازوں نے بم برسائے تو میں بھاگ گیا اور آج تک اپنے دوستوں کو نہیں دیکھ پایا۔“ احمد کی کہانی اُن ہزاروں بچوں کی بازگشت ہے جن کے مستقبل کو جنگ نے نگل لیا ہے۔

کیمپوں میں جمعے کی نماز اکثر واحد موقع ہوتا ہے جب لوگ ایک جگہ جمع ہوتے ہیں۔ ائمہ کرام اپنے خطبات میں صبر، امید اور توکل کی بات کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ مشکل وقت میں ایک دوسرے کا سہارا بننا ہماری دینی اور انسانی ذمہ داری ہے۔ عورتوں کے گروہ مل کر کھانا پکاتے ہیں، تاکہ کوئی بھوکا نہ سوئے چاہے وہ ان کا عزیز ہو یا بالکل اجنبی۔ یہ چھوٹے چھوٹے عمل دکھاتے ہیں کہ تباہی کے بیچ بھی سوڈانی معاشرہ محبت اور ہمدردی سے خالی نہیں ہوا۔ امدادی کارکن بھی دن رات اپنی جانیں خطرے میں ڈال کر لوگوں کی خدمت کر رہے ہیں۔

□□□□□□

یادِ ماضی

ترکستانِ شرقیہ

محمد سہیل

جب ہم اسلامی تاریخ کے پڑاؤ پر نظر ڈالتے ہیں تو ترکستانِ شرقیہ (East Turkestan) ایک ایسی سرزمین کے طور پر سامنے آتی ہے جو نہ صرف جغرافیائی طور پر وسیع ہے، بلکہ اپنی تہذیب، ایمان اور جدوجہد کے اعتبار سے بھی بے مثال ہے۔ آج جس علاقے کو چین "شن جیانگ" کہتا ہے، وہ کبھی عظیم ترک اسلامی سلطنتوں کا مرکز ہوا کرتا تھا۔

یہ خطہ تقریباً 17 لاکھ مربع کلومیٹر پر پھیلا ہوا ہے۔ یعنی آج کے پاکستان سے دوگنا بڑا، اور چین کے رقبے کا پانچواں حصہ!

اسلام کا آغاز: اسلام یہاں پہلی صدی ہجری میں اس وقت پہنچا جب اموی سپہ سالار قتیبہ بن مسلم الباہلی نے مشرقی فتوحات کا سلسلہ وسیع کیا۔ اسلام کا پیغام جب ان وادیوں میں پہنچا تو مقامی آبادی نے نہ صرف اسے قبول کیا بلکہ اسے اپنی تہذیب کا مرکز بنا لیا۔ چوتھی صدی ہجری میں ستوق بغرا خان کا اسلام قبول کرنا اس خطے کی تاریخ کا فیصلہ کن موڑ ثابت ہوا۔ یہ وہی دور تھا جب کرخانی ترکوں نے اسلام کو بطور ریاستی مذہب اختیار کیا، اور ترکستانِ شرقیہ ایک طاقتور اسلامی سلطنت بن کر ابھرا۔ یہ خطہ تقریباً ایک ہزار برس تک مختلف اسلامی ریاستوں کے زیرِ نگیں رہا، جن میں: قرخانی سلطنت، چغتائی ریاست، یعقوب بیگ کی ریاست، ایغور خانات شامل ہیں۔

قرخانی سلطنت (840–1212ء)

قرخانی ترک پہلی مسلم ترک سلطنت تھے جنھوں نے وسطی ایشیا میں اسلام کو مضبوط بنیادوں پر کھڑا کیا۔ یہ وہی سلطنت ہے جس کے حکمران ستوق بغرا خان نے اسلام قبول کر کے پورے خطے میں اسلامی قانون نافذ کیا۔ قرخانی دور میں مدارس، مساجد، کارواں سرائیں، اور تجارت کے بڑے راستے تعمیر ہوئے، جنھوں نے ترک تہذیب کو عروج دیا۔ یہی دور تھا جب کاشغر علم و فن کی عظیم بستی بن کر اُبھرا۔ قرخانیوں نے تقریباً چار صدیوں تک ترکستان کو اسلامی دنیا سے جوڑے رکھا۔

چغتائی ریاست (1227–1680ء)

چغتائی ریاست منگول سردار چغتائی خان کی اولاد نے قائم کی، مگر چند نسلوں بعد یہ ریاست اسلام کے سب سے مضبوط قلعوں میں تبدیل ہوگئی۔ چغتائی حکمرانوں نے منگولی قانون کی جگہ اسلامی شریعت نافذ کی، جس سے پورے خطے میں عدل اور امن قائم ہوا۔ ان کے دور میں تجارت، دست کاری، گھڑسواری، اور اسلامی فنِ تعمیر کو عروج حاصل ہوا۔ مشہور شہر یرقند (Yarkand) اسی دور میں ثقافتی مرکز بنا۔ چغتائی ریاست نے تقریباً 450 برس ترکستان کی سرحدوں کی حفاظت کی۔

یعقوب بیگ کی اسلامی ریاست (1865–1877ء)

چینی ظلم و جبر کے مقابلے میں جب سب راستے بند ہونے لگے، تب ایغور مسلمانوں نے ایک نئے رہنما کی تلاش کی، یہی وہ وقت تھا جب یعقوب بیگ نے ایک منظم اور طاقتور اسلامی ریاست قائم کی۔ انھوں نے یرکند، کاشغر، ختن، اور آق سو کو متحد کر کے شریعتِ محمدی کے مطابق حکومت چلائی۔ ان کے دور میں پہلی بار ترکستان کے مسلمانوں نے بیرونی دنیا خاص طور پر عثمانی خلافت سے براہِ راست تعلقات قائم کیے۔ اگرچہ یہ ریاست صرف 12 سال قائم رہی، مگر اس نے ثابت کیا کہ ترک مسلمان آزادی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔

دوسری ایغور-اسلامی تحریک(1933–1944ء)

پہلی چینی قبضے کے بعد ترک مسلمانوں نے 1933ء میں اسلامی جمہوریہ ترکستان شرقیہ کا اعلان کیا جو جدید دور کی پہلی ترک-مسلم جمہوریت تھی۔ یہ حکومت مختصر عرصے کے لیے قائم رہی مگر اس نے ثابت کر دیا کہ ترکستان کے عوام اپنے دین اور شناخت کی حفاظت کے لیے ہر قربانی دینے کو تیار ہیں۔

1934ء میں اس ریاست کو ختم کر دیا گیا، مگر 1944ء میں مسلمانوں نے دوبارہ "ایلی ریاست" کے نام سے آزادی حاصل کی۔ یہ دوسری آزاد ریاست 1949ء تک قائم رہی، جب چین کی کمیونسٹ فوجوں نے پورے خطے پر قبضہ کر لیا۔ یہ وہ دور تھا جب ترکستان کی آزادی صرف چند قدم کے فاصلے پر تھی۔

ترکستان کی اسلامی تہذیبی وراثت: یہ خطہ شاہراہِ ریشم (Silk Road) کا مرکز تھا، یہاں سے تجارت، ہنر، زبان اور اسلامی علوم پوری دنیا تک پہنچے۔ کاشغر، یرکند اور تورفان جیسے شہر علم و ہُنر کے مراکز سمجھے جاتے تھے۔ علّامہ محمود کاشغری (مصنف: دیوان لغات الترک) اور یوسف خاص حاجب (مصنف: قوتادغو بیلگ) اسی سرزمین کے روشن ستارے تھے۔ ترکستان نے دنیا کو صدیوں تک سپاہ گری، تیر اندازی، گھڑ سواری اور اسلامی فنِ حرب کی بہترین مثالیں دیں۔ یہی وہ ورثہ ہے جسے آج بھی ایغور مسلمان اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔

قبضوں کی تاریخ: 1759ء میں چنگ خاندان نے پہلی بار ترکستانِ شرقیہ پر قبضہ کیا، مگر مسلم آبادی نے مسلسل مزاحمت جاری رکھی۔ پھر 1881ء میں دوسری بار چینی افواج نے ظلم و جبر کے ساتھ خطے کو اپنے قبضے میں لیا۔ 1933ء میں کاشغر میں پہلی بار "اسلامی جمہوریہ ترکستان شرقیہ" کا قیام ہوا۔ لیکن عالمی خاموشی اور پڑوسی طاقتوں کی بے حسی کے باعث یہ خواب زیادہ دیر قائم نہ رہ سکا۔ 1944ء میں ایغور مسلمانوں نے ایک بار پھر ہمت کی اور دوسری مرتبہ آزاد ریاست قائم کی، جسے "ایلی ریاست" بھی کہا جاتا ہے۔ مگر 1949ء میں چین کے کمیونسٹ انقلاب کے بعد یہ ریاست بھی ختم کر دی گئی۔

1949ء کے بعد، تمدنی شناخت پر حملہ:

کمیونسٹ حکومت کے بعد ترکستانِ شرقیہ میں ایسی پالیسیاں نافذ کی گئیں جن کا مقصد تھا کہ: مذہبی شعائر ختم ہوں، اسلامی تعلیمات مٹیں۔ داڑھی، حجاب اور مذہبی شناخت کو جرم بنایا جائے۔ قرآن مجید کو ضبط کیا جائے، علما کو قید و قتل کیا جائے۔ 65 ہزار سے زائد مساجد بند کی جائیں یا توڑی جائیں، اسلامی ناموں "محمد"، "عائشہ"، "خالد" وغیرہ پر پابندی لگے۔ یہ سب اس لیے کہ مسلمان اپنی شناخت، ایمان اور زبان سے جدا ہو جائیں۔

آخر یہ ظلم کیوں؟ ترکستان شرقیہ چین کے سب سے بڑے وسائل کا مرکز ہے: جہاں تیل کا 25٪ گیس کا 28٪ یورینیم، کوئلہ، سونا، نمک اور دنیا کے نایاب معدنیات کثیر تعداد میں پائی جاتی ہیں۔ چین کے معاشی مفاد اس قدر وسیع ہیں کہ اس خطے کی آزادی سے چینی معیشت کا آدھا حصہ لرز جائے۔ اسی لیے عالمی طاقتیں بھی خاموش ہیں۔

سنہ 1949ء میں یہاں مسلمانوں کی آبادی 97٪ تھی۔ آج یہ شرح کم ہو کر 40٪ سے بھی کم رہ گئی ہے۔ اس کی وجہ وہ حکمتِ عملی ہے جسے چین Demographic Engineering کہتا ہے، جس کے تحت: لاکھوں "ہان" چینی یہاں لا کر بسائے گئے۔ مسلمانوں کو ان کے شہروں اور گھروں سے نکالا گیا۔ چین نے ایک نئی پالیسی شروع کی جس کے تحت ایغور گھروں میں سرکاری ملازمین زبردستی رہتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں، مذہبی زندگی ختم، ذاتی آزادی ختم خاندانوں کی حرمت پامال۔ یہ پالیسی دنیا بھر میں شدید تنقید کا شکار رہی، مگر کوئی عملی قدم نہ اٹھایا گیا۔

عالمی نظام کی شرم ناک خاموشی: اقوامِ متحدہ کی درجنوں رپورٹس کے باوجود ترکستان شرقیہ کو کوئی عالمی تحفظ نہیں ملا، چین پر کوئی ٹھوس پابندی نہیں لگی اور انسانی حقوق کی تنظیمیں صرف بیانات تک محدود ہیں۔

اللہ تعالیٰ مظلوم مسلمانوں کی مدد فرمائے، انھیں آزادی اور امن نصیب کرے، اور ہمیں ان کی آواز بننے کی توفیق دے، آمین۔ ▪▪▪

حفظان صحت

پورن ایڈکشن کی تباہ کاریاں

حکیم محمد نیاز احمد

جب ٹیلی ویژن نہیں تھا تو پورنوگرافک مواد رنگین اور سادہ میگزینز کی صورت آیا کرتا تھا پھر سینما پر انگریزی رنگین فلموں کی نمائش شروع ہوئی، پھر وی سی آر کا زمانہ آیا، گلی گلی ویڈیو سینٹرز کھلے اور وی سی آر کے ذریعہ عام لوگوں کی رسائی فحش فلموں تک ہوئی، رنگین جنسی رسالوں سے پورن موویز کا سلسلہ شروع ہوا.... بلیک اینڈ وائٹ ٹی وی 1978 کے بعد عام ہوا، 1990 میں رنگین ٹی وی عام ہوئے تو ویڈیو سنٹرز کی دوکانیں ہر گلی محلے بازار میں کھلیں، جہاں چھپ چھپا کر پورن موویز دیکھی یا دکھائی جاتی تھیں یا وی سی آر کرایہ پر لوگ لے لیا کرتے تھے وہ بھی کسی شادی بیاہ پر۔ پھر ڈی وی ڈی، اور ڈش اینٹینا کا دور آیا، ویڈیو کیسٹس سے ڈی وی ڈی پلیئر آ گئے، فحش فلموں کو اور زیادہ دیکھا جانے لگا۔ 2000ء کے بعد انٹرنیٹ آیا تو انٹرنیٹ کیفے کھلے وہاں بھی ہماری قوم کیبن کے اندر بیٹھ کر یہی سب کچھ کرتی تھی، انٹرنیٹ کیفے کھلنے کے بعد فحش فلموں کے منفی اثرات ہمارے معاشرے میں صاف طور پر محسوس کیے جانے لگے۔

آپ کو یاد ہو گا 2003 سے 2007 کے درمیان اسلام آباد انٹرنیٹ کیفے سکینڈلز میں نوجوان لڑکے لڑکیوں کی CCTV ویڈیو ریکارڈنگ کے ویڈیو سکینڈلز لیک ہوئے درجنوں لڑکیوں نے خودکشیاں کرلیں۔ جگہ جگہ ویڈیو سنٹرز کے بعد انٹرنیٹ کیفے کھلنا شروع ہوئے جہاں لوگوں کو یاہو چیٹ اور ہلکا پھلکا Yahoo سرچ انجن چلانا آتا تھا لیکن انٹرنیٹ کیفوں پر چیٹنگ اور پورن براؤزنگ کے لیے ویڈیو فلموں کی لت کے شکار نوجوان آتے تھے۔ پورن دیکھنے کے بعد گلے محلوں میں چھوٹے بچے بچیوں کے ساتھ جنسی زیادتیوں کے کیسز رپورٹ ہونا شروع ہوئے۔ یہ 2000 کے بعد کا زمانہ ہے، انٹرنیٹ کیفے سکینڈل کے بعد جنسی زیادتیوں کے کیسز معاشرے میں انتہائی تیزی کے ساتھ سر اٹھانے لگے۔

آج بھی آئے روز آپ جنسی زیادتیوں کے کیسز پڑھتے سنتے ہیں ان سب کا سبب پورنوگرافک کانٹینٹ ہے جو انسانی ذہن کو مسلسل تباہ کاری کی طرف دھکیل رہا ہے اور انسان کو جانور بنا رہا ہے۔ اس منحوس لت کا سب سے بڑا نقصان ذہنی اور دماغی بگاڑ ہے۔ اس سے انسانی دماغ کے سامنے والا حصہ متاثر ہوتا ہے اور انسان کی قوتِ فیصلہ اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہوتی چلی جاتی ہے۔

جب سے موبائل آیا ہے انٹرنیٹ کے استعمال میں بے تحاشہ اضافہ ہوا ہے۔ لڑکوں کے ساتھ ساتھ کالجز اور یونیورسٹیز کی لڑکیاں بھی اس بلا کا شکار نظر آتی ہیں۔ ایک تازہ سروے کے مطابق پورنوفریفک کانٹینٹ سرچ میں ہندوستان اور پاکستان ٹاپ رینک میں نظر آتے ہیں۔ میرے پاس جہاں Masturbation Addiction کے کیسز ہوتے ہیں وہیں Porn addiction کے کیسز کے ساتھ ساتھ Unwanted Homosexuality کے کیسز بھی بہت آتے ہیں۔ میں اپنے تجربے کی بنیاد پر یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ مشت زنی کی اڈیکشن کا شکار لڑکا یا لڑکی ضرور پورن ایڈیکشن کا شکار ہوتے ہیں یا پورن ایڈیکشن کے شکار ضرور مشت زنی کی لت کا شکار ہوتے ہیں جو Sexual Performance

anxiety کے ساتھ ساتھ Guilt کا شکار ہوتے ہیں۔احساس گناہ اور پرفامنس انزایٹی پورن دیکھنے والوں کی بڑھتی ہے جو اریکٹائل ڈسفنکشن اور سرعت انزال یعنی پری میچور ایجی کولیشن کا سبب بھی بنتی ہے۔

میرے پاس ہم جنس پرستی کے کئی کیسز آئے جس میں پتا چلا کہ مریض پورن دیکھتا تھا اور اس میں بھی Gay Sex ہی صرف دیکھتا تھا۔اب کچھ کیسز میں موروثی ہوموسیکشویلٹی کے شکار مریض خود سے ہی ایسی کیٹگری کی تلاش کر لیتے ہیں جب کہ کچھ ایسے سرچ کرتے کرتے دیکھ کر بچپن سے ان کی Sexuality Sexual attraction ڈیویلپ ہوجاتی ہے تو سب سے پہلے میں ان کی پورن ایڈیکشن کا علاج کرتا ہوں پھر ان کی کونسلنگ اور تھراپی کی جاتی ہے۔

کچھ شادی شدہ مرد پورن دیکھتے ہیں اور کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو میاں بیوی مل کر پورن دیکھتے ہیں، یہ مل کر پورن دیکھنے والے آگے چل کر مزید پیچیدہ ازدواجی مسائل اور سوشل ایشوز کا شکار ہوتے ہیں، جب وہ مختلف قسم کے مناظر دیکھتے دیکھتے گروپنگ تک پہنچتے ہیں۔

میں نے پورن ایڈیکشن کی ابتدا سے انتہا تک کہ ساری تصویرکشی آپ کے سامنے اس لیے کی ہے کہ شروع سے آخر تک یہ انسان سے انسانیت چھین لینے والی لت ہے، آئے دن گلی محلوں شہروں دیہاتوں میں تین سال، پانچ سال سات سالہ بچے بچیوں کی لاشیں کھیتوں سے، کوڑے کے ڈھیروں سے مسخ شدہ ملتی ہیں ان کے قاتل ان کے رشتہ دار، محلے دار، دوکان دار ہی ہوتے ہیں جو پورن ایڈیکشن کا شکار ہوتے ہیں۔

اگر اس کا علاج نہ کروایا جائے تو ایسے لوگ یا تو شدید ڈپریشن اور ذہنی دباؤ کا کا شکار ہوجاتے ہیں اور خودکشی کی طرف چلے جاتے ہیں، اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان کی ازدواجی زندگی تباہ ہوجاتی ہے، فیملی لائف پُر لطف نہیں رہتی۔جس کلاس میں یہ اٹھتے بیٹھتے وقت گزاری کرتے ہیں اس کلاس میں بھی کرائم ریٹ زیادہ ہوتا ہے گویا، ہرسطح پر اس کے نقصانات ہی نقصانات نظر آتے ہیں۔

آج کے اس دور میں جہاں انٹرنیٹ کی رسائی بچوں جوانوں بوڑھوں سب تک ہے اگر کسی کو بھی یہ خبیث لت لگ گئی اور گی وہ اس کے کا شکار ہوگیا تو اس کا ذہن ہمہ دَم اسی غلاظت میں آلودہ رہتا ہے اور یہ کہنا کوئی بے جا نہ ہوگا کہ ایسا انسان کسی بھی وقت خود کو یا کسی دوسرے انسان کو شدید جسمانی اور روحانی نقصان پہنچا سکتا ہے۔

اس خبیث لت سے نجات کا بہترین راستہ یہ ہے کہ خود کو تعمیری کاموں میں مصروف رکھیں، خاص طور سے پنج وقتہ نماز کی پابندی کریں، کیوں کہ بے شک نماز بے حیائیوں اور بری باتوں سے روکتی ہے۔ روزہ سے مدد حاصل کریں کیوں کہ روزہ شہوت کا زور توڑنے کے لیے اکسیر ہے۔ ایسے دوست بنائیں جو مثبت خیالات کے حامل ہوں، تنہائی سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کریں، کام کے علاوہ جو وقت بچتا ہے اسے اپنے اہل خانہ اور بچوں کے ساتھ گزاریں اپنی زندگی کا کوئی تعمیری مقصد متعیّن کریں اور اس مقصد کے حصول کے لیے ہر وقت کوشاں رہیں۔

ان تدابیر کے باوجود اگر من بھٹکتا ہے اور دل و دماغ میں برے خیالات آتے ہیں تو اپنا علاج کروائیں، کونسلنگ کے لیے ماہر نفسیات سے رابطہ کریں، اپنی لائف سٹائل کو بہتر کریں۔ یاد رکھیں پورنوگریفک مواد ذہنوں کو آلودہ کرتا ہے اس کے شکار مرد یا عورت کا ذہن کوڑے کے ڈھیر کی طرح ہوتا ہے، لہذا آلودگی زمینی ہو آبی، فضائی ہو یا ذہنی، انسانیت کے لیے، انسان اور اس کے معاشرے کے لیے اور خود اس انسان کے لیے بھی اتنی ہی خطرناک ہوتی۔ اگر آپ یا آپ کا کوئی دوست اس قسم کے مسائل کا شکار ہے تو کسی حکیم، ڈاکٹر یا کسی کلینکل سایکالوجسٹ کی خدمات حاصل کرے۔

▫▫▫▫▫▫

چراغ خانہ

ناقص تصور دین: مسلم لڑکیوں کے ارتداد کا سبب

عبدالغفار صدیقی

گزشتہ دنوں ایک حضرت کا بیان اخبارات کی سرخی بنا کہ "مسلم لڑکیوں کے ارتداد کا سبب مخلوط نظام تعلیم ہے"۔ اس بیان کے ساتھ حضرت نے یہ وضاحت بھی فرمادی تھی کہ میں لڑکیوں کی تعلیم کا مخالف نہیں ہوں، بلکہ ان کی تعلیم کا حامی ہوں۔ البتہ ان کے لیے تعلیمی ادارے الگ ہونے چاہئیں۔ ظاہر ہے اس بات سے کون اتفاق نہیں کرے گا لیکن یہ کام کون کرے گا؟ کیا وہ سرکاریں جو ہماری بہنوں کے سر سے حجاب نوچ کر پھینک دینا چاہتی ہیں، ہماری بچیوں کے لیے الگ اسکول اور کالج بنائیں گی؟ سرکاریں تو ان اداروں کو بھی بند کرنا چاہتی ہیں جو چل رہے ہیں۔ کسی زمانے میں جی جی آئی سی (گورنمنٹ گرلز انٹر کالج) قائم ہوا کرتے تھے۔ شاید وہ زمانہ آزادی سے پہلے کا تھا یا فوراً بعد کا۔ اس کے بعد اول تو سرکاری اسکول ہی کم تعداد میں قائم ہوئے اور اگر کہیں قائم بھی ہوئے تو وہ مخلوط تعلیم کے ہی تھے۔ البتہ مسلم امت نے اپنے طور پر یہ کام کیا تھا۔ لیکن اس کی حیثیت اونٹ کے منھ میں زیرے کی تھی۔ امت کے تعلیمی ادارے آپسی جھگڑوں کی نذر ہو کر اپنی افادیت کھو چکے ہیں۔ لیکن حضرت کی یہ بات کہ مخلوط نظام تعلیم کی وجہ سے مسلم لڑکیاں ارتداد کا شکار ہو رہی ہیں، کچھ ہضم نہیں ہو رہی ہے۔

ایک زمانہ تھا کہ مسلمان لڑکیوں کے بارے میں یہ کوئی سوچ نہیں سکتا تھا کہ وہ اپنا دین چھوڑ دیں گی۔ اگر اس سے کوئی غیر مسلم لڑکا عشق کرنے کی غلطی کر بیٹھتا تھا تو اسے اپنے مذہب سے ہاتھ دھونا پڑتا تھا۔ اسی طرح غیر مسلم لڑکیاں اسلام قبول کر کے مسلم سماج کا حصہ بنتی تھیں۔ دین کو چھوڑنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ تبدیلی مذہب کا عمل انسان کی دنیا اور آخرت دونوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس ارتداد کا بڑا سبب مسلم معاشرے میں دین کے ناقص تصور کا چلن ہے۔ خاص طور پر خواتین کے تعلق سے ہمارے یہاں بہت سی ایسی باتیں رائج ہیں جو دین کا حصہ نہیں ہیں۔ حصول تعلیم کو ہی لیجیے۔ اسلام نے اس معاملے میں کوئی جنسی تفریق نہیں کی۔ لیکن ہم نے ان پر تعلیم کے دروازے بند رکھے۔

معاشیات کا باب اٹھا کر دیکھیں گے تو آپ دنگ رہ جائیں گے کہ دور رسالت اور اس کے بعد کے ادوار میں مسلم خواتین نے صنعت و حرفت اور تجارت میں مردوں کے شانہ بشانہ کام کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہ خاتون ہیں جنھوں نے اکیلے زندگی کے ہر میدان میں نمایاں رول ادا کیا، انھوں نے علم حدیث میں خواتین میں سب سے زیادہ احادیث روایت کیں، میراث کا علم سیکھا، مرد بھی ان سے میراث کا علم سیکھتے تھے، وہ علم طب کی بھی ماہر تھیں، وہ شاعرہ بھی تھیں۔ حضرت زینب چمڑے کی دستکار تھیں، ام مبشر انصاریہ زراعت کی ماہر تھیں، ام عطیہ طبیب اور جراح تھیں یعنی آج کل کی زبان میں سرجن تھیں، حضرت خدیجۃ الکبریٰ بڑی تاجرہ تھیں، حضرت خنساء کی شاعری مجاہدین کے حوصلوں کو بڑھاتی تھی، حضرت ام عمارہ میدان جنگ میں خواتین کی قیادت کرتی تھیں، تمام جنگوں میں نرسنگ کا کام خواتین کے ذمہ ہوتا تھا، وہی زخمیوں کو پانی پلانے کا کام کرتی تھیں، وہ تیر انداز بھی تھیں اور تلوار بھی چلاتی تھیں، وہ خیمے بناتیں، تیر بناتیں اور تلواریں تیز کرتی تھیں۔ حضرت

اسماء بنت مخزمہ عطر کا کاروبار کرتی تھیں، حضرت خولہ خود کماتیں اور اپنے شوہر پر خرچ کرتی تھیں ۔ حضرت شفاء عہد رسالت میں مدینہ مارکیٹ کی نگراں مقرر کی گئی تھیں۔

معاشرتی زندگی میں اسلام کی تعلیمات اٹھا کر دیکھ لیجیے، اسلام وہ پہلا دین ہے جس نے نکاح سے پہلے اس کی مرضی معلوم کرنے کو صحت نکاح کے لیے شرط قرار دیا، جس نے شوہر کے مظالم سے بچنے کے لیے خلع کا طریقہ بتایا۔ جس نے شوہر سے کہا کہ جو لقمہ تم اپنی بیوی کو کھلاتے ہو وہ صدقہ یعنی نیکی ہے۔ جس نے باپ، شوہر اور اولاد کی جائداد میں عورت کا حصہ مقرر کیا۔ لیکن آج ذرا مسلم معاشرے کا جائزہ لیجیے، ہمارے بیشتر گھروں میں خواتین کو اسلام کے عطا کردہ حقوق حاصل نہیں ہیں۔ ہمارا حال یہ ہے کہ ہم خواتین کے حقوق کے موضوع پر اظہار خیال اس لیے نہیں کرتے کہ کہیں خواتین اپنے حقوق نہ مانگنے لگیں۔

کوئی شخص جب دیکھتا ہے کہ اس کو اس کا دین باعزت زندگی گزارنے کے حق سے محروم رکھتا ہے تو وہ دین چھوڑنے کے بارے میں سوچتا ہے۔ یہی ملک ہے جہاں ستی کی رسم نے ہزاروں ہندو خواتین کو دین چھوڑنے پر مجبور کیا۔ ہزاروں بیواؤں نے اس لیے اسلام قبول کیا کہ ان کے اپنے دین میں بیواؤں کی دوسری شادی کی اجازت نہ تھی۔ کتنی ہی خواتین جہیز کی لعنت سے مجبور ہو کر اسلام کے دامن عافیت میں آگئیں۔ لیکن افسوس آج وہی لعنت ہمارے یہاں در آئی اور ہزاروں لڑکیاں بن بیاہے جیون گزارنے پر مجبور ہیں۔ اسلام کی جانب خواتین اس لیے جوق در جوق آئیں کہ انھیں یہ محسوس ہوا کہ اس دین میں ان کی عزت و آبرو محفوظ ہے اور ان کو معاشرے میں مساویانہ حقوق حاصل ہیں۔ دور اول کے اسلام قبول کرنے والوں میں زیادہ تعداد کمزوروں کی تھی، بادشاہ نجاشی نے جب مکہ کے وفد سے سوال کیا تھا کہ ”محمد کا دین قبول کرنے والے کون لوگ ہیں؟“ تو وفد نے جواب دیا تھا کہ سماج کے کمزور اور غلام۔ کسی سماج کے کمزور اور غلام کسی نئے دین کو اسی وقت قبول کرتے ہیں جب انھیں اس نئے دین میں عافیت محسوس ہوتی ہے۔

آج ہم نے اسلام کی جو تشریح سماج کے سامنے پیش کی ہے اور جو تصویر مسلم معاشرہ پیش کر رہا ہے اس کو دیکھتے ہوئے وہ لڑکیاں جو دین کی تعلیم سے ناآشنا ہیں اور جنھیں اسلامی ماحول میسر نہیں ہے، انھیں جب کسی ہندو لڑکے میں دلچسپی پیدا ہوتی ہے اور ان کو اپنا روشن مستقبل اس کے ساتھ زندگی گزارنے میں نظر آتا ہے تو وہ اس کے ساتھ ہو لیتی ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ وہ ضرور کوئی نیا دین قبول کرتی ہیں بلکہ بیشتر معاملات میں تو ان دونوں کا کوئی دین ہی نہیں ہوتا اور کہیں ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ دونوں اپنے اپنے دین پر قائم رہتے ہوئے زندگی گزارتے ہیں۔ لیکن اتنا ہونا بھی امت مسلمہ کے لیے لمحہ فکریہ ہونا چاہیے۔ کیا ہم صرف یہ کہ کر اطمینان کی سانس لے لیں کہ اس کا سبب مخلوط نظام تعلیم ہے۔ اگر ہے بھی تو اس کا تدارک کون کرے گا۔

آج کے دور میں جہاں انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا نے خلوت گاہوں تک میں رسائی حاصل کر لی ہو آپ مخلوط سوسائٹی سے کس طرح کنارہ کر سکتے ہیں۔ میری معلومات کی حد تک صرف تعلیم یافتہ مسلم لڑکیاں ہی اسلام نہیں چھوڑ رہی ہیں، بلکہ بعض کم تعلیم یافتہ لڑکیاں بھی ہندو لڑکوں کے ساتھ بھاگ رہی ہیں۔ ایک وجہ مسلمانوں کا محکوم ہونا ہے اور محکوم قوموں میں ارتداد کی بیماری ہمیشہ پھیلتی ہے۔ لیکن ارتداد کی اصل وجہ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ مسلم سماج میں دین کے ناقص تصور کا چلن ہے اس لیے عوام و خواص سے یہ بھی گزارش ہے کہ ایک بار اللہ کی کتاب کو اس زبان میں پڑھ کر دیکھ لیجیے جو آپ جانتے ہیں، آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ نے آپ کی بیٹیوں اور بہنوں کو جو کچھ دیا ہے اگر وہ آپ انھیں دے دیں تو وہ کسی حال میں بھی اسلام کو چھوڑنا پسند نہیں کریں گی۔

☆☆☆

فکر و نظر

خواتین اسلام کا ارتداد

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ہم اربابِ قلم اور علماے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔از: **مبارک حسین مصباحی**

*فروری 2026 کا عنوان— نکاح- نسل انسانی کی بقا کا ضامن

مسلم لڑکیوں کا ارتداد اور بین المذاہب شادیاں

از: انیس الرحمٰن حنفی رضوی بہرائچ شریف۔

دنیا بھر میں معاشرتی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ مذہبی شناخت اور ذاتی آزادی کا مسئلہ ہمیشہ سے حساس رہا ہے۔ برصغیر ہند میں، جہاں مختلف مذاہب اور تہذیبیں صدیوں سے ایک ساتھ رہتی آئی ہیں، وہاں یہ حساسیت اور بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ آج کل اخبارات اور میڈیا میں آئے دن ایسی خبریں سننے کو ملتی ہیں کہ فلاں مسلم لڑکی نے ہندو نوجوان سے شادی کر لی، یا کسی نے اسلام ترک کر کے دوسرا مذہب اختیار کر لیا۔ ایسے واقعات پر ایک عام مسلمان کے دل میں بے چینی اور اضطراب پیدا ہونا فطری امر ہے۔

یہ صورتِ حال صرف جذباتی پہلو نہیں رکھتی بلکہ اس کے اندر شرعی، سماجی، قانونی اور فکری تمام جہات شامل ہیں۔ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر مسلم لڑکیاں اپنے خاندانی، مذہبی اور دینی پس منظر کو چھوڑ کر دوسری مذہبی شناخت کیوں قبول کر لیتی ہیں؟ اس کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟ اور اس کے سدِّباب یا صحیح فہم کے لیے کیا علمی و عملی اقدام کیے جا سکتے ہیں؟ اس مضمون میں ہم ان سوالات کا تحقیقی اور مقالاتی تجزیہ کریں گے۔

لکھیم پور کھیری کا واقعہ:

ابھی دو چار دن میں اتر پردیش کے ضلع لکھیم پور کھیری سے ایک سنسنی خیز خبر سامنے آئی کہ دو مسلم بہنوں نے اپنے ہندو محبوبوں سے شادی کی۔ یہ شادی کسی عدالت یا نکاح خواں کے ذریعے نہیں بلکہ مندر میں ہندو رسومات کے مطابق انجام دی گئی۔ شادی کے دوران دونوں بہنوں نے اپنے اسلامی نام بھی ترک کر دیے: رُخسانہ نے "روبی" اور جسمن نے "چاندنی" نام اختیار کیا۔ اس واقعہ نے پورے علاقے میں بحث چھیڑ دی اور سوشل میڈیا پر بھی بڑے پیمانے پر ردعمل سامنے آیا۔

یہ کوئی انوکھا یا منفرد واقعہ نہیں۔ پچھلے کچھ برسوں میں کئی جگہوں سے ایسی خبریں آئی ہیں کہ مسلم لڑکیوں نے ہندو نوجوانوں سے تعلقات قائم کیے، شادی کی یا پھر اسلام ترک کر کے دوسری مذہب اپنالی۔

کچھ کیسوں میں خاندان کی طرف سے شدید مخالفت ہوئی اور لڑکی کو سماجی بائیکاٹ یا حتیٰ کہ جان سے مار دینے جیسے

استاد و ناظم تعلیمات جامعہ خوشتر رضائے فاطمہ گرلس اسکول سوار ضلع رامپور یوپی-9517223646

انتہا پسندانہ رویے بھی دیکھنے کو ملے۔

کچھ جگہوں پر سماجی قبولیت کا مظاہرہ ہوا اور لوگ اسے "محبت کی جیت" یا "مذہبی ہم آہنگی" کا نام دیتے ہیں۔

لیکن مجموعی طور پر یہ واقعات مسلم معاشرے کے اندر شدید اضطراب پیدا کر رہے ہیں۔

شرعی نقطۂ نظر:

ارتداد کی تعریف: اسلامی اصطلاح میں "ارتداد" اس شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے جو شعوری طور پر اسلام کو ترک کر کے کسی اور مذہب یا نظامِ عقیدہ کو اختیار کرے۔ قرآن و حدیث میں اس کے بارے میں سخت وعیدیں موجود ہیں۔ فقہائے کرام نے اس کی مختلف اقسام اور ان کے احکام بیان کیے ہیں۔

مسلم لڑکی کی غیر مسلم سے شادی: اسلامی شریعت میں مسلمان مرد کو "اہل کتاب" کی عورت سے نکاح کی گنجائش ہے، لیکن مسلمان عورت کے لیے کسی غیر مسلم مرد سے شادی جائز نہیں۔ لہٰذا اگر کوئی مسلمان لڑکی اسلام پر باقی رہتے ہوئے غیر مسلم مرد سے شادی کرتی ہے تو یہ نکاح شرعاً باطل ہے۔ البتہ اگر وہ پہلے اسلام ترک کر دے تو وہ ارتداد کے دائرے میں داخل ہو جاتی ہے، اور پھر اس کی شادی دوسرے مذہب کے قوانین کے مطابق انجام پاتی ہے۔

دینی تشویش: مسلمان معاشروں میں ایسے واقعات دینی کمزوری، تربیت کی کمی، اور دنیوی رغبتوں کے نتیجے کے طور پر دیکھے جاتے ہیں۔ علما کے نزدیک یہ امت کے لیے ایک بڑی فکری و اخلاقی آزمائش ہے۔

قانونی پہلو: بھارت کا آئین ہر شہری کو مذہب اختیار کرنے اور تبدیل کرنے کا حق دیتا ہے۔ آئین کی دفعہ 25 کے مطابق ہر فرد کو یہ آزادی ہے کہ وہ اپنی پسند کے مطابق عبادات کرے اور کسی بھی مذہب کو قبول یا ترک کرے۔

لیکن شادی کے معاملے میں کچھ قانونی پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں: اگر ایک مسلمان لڑکی اپنی مذہبی شناخت بدلے بغیر ہندو نوجوان سے مندر میں شادی کرے تو وہ شادی قانونی طور پر غیر معتبر قرار دی جا سکتی ہے، جیسا کہ پنجاب و ہریانہ ہائیکورٹ کے ایک فیصلے میں کہا گیا کہ "بغیر تبدیلی مذہب کے ایسی شادی صرف live-in relationship شمار ہوگی"۔

اگر وہ باقاعدہ مذہب تبدیل کرے تو پھر شادی قانونی طور پر تسلیم کر لی جاتی ہے، لیکن سماجی و خاندانی مسائل اپنی جگہ موجود رہتے ہیں۔

سماجی و فکری پہلو: یہ واقعات صرف فرد کا مسئلہ نہیں بلکہ پورے سماج کا سوال ہیں۔

1. خاندانی ڈھانچہ اور تربیت: اکثر ایسے واقعات ان گھروں سے جڑتے ہیں جہاں دینی تعلیم و تربیت کمزور ہو اور والدین بچوں کو صرف دنیاوی تعلیم کی طرف توجہ دلائیں۔

2. محبت اور ذاتی آزادی کا سوال: نئی نسل کے لیے "محبت" سب سے بڑی قدر بنتی جا رہی ہے۔ وہ مذہبی اور خاندانی حدود کو نظر انداز کر کے ذاتی آزادی کو فوقیت دیتی ہے۔

3. سماجی ردعمل: ایک طرف بعض لوگ ایسے واقعات کو قبول کرتے ہیں اور انھیں مذہبی ہم آہنگی کی مثال مانتے ہیں، دوسری طرف معاشرے کا ایک بڑا طبقہ اسے مذہبی شناخت پر حملہ تصور کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض کیسوں میں لڑکیوں کو قتل کر دیا جاتا ہے یا انھیں سماجی طور پر تنہا کر دیا جاتا ہے۔

4. میڈیا اور سوشل پلیٹ فارمز: ان واقعات کو میڈیا جس انداز میں پیش کرتا ہے، اس کا بھی بڑا اثر ہوتا ہے۔ کچھ چینلز اور اخبارات اسے "پیار کی جیت" بنا کر دکھاتے ہیں، جبکہ کچھ اسے "ارتداد" اور "خطرہ" کے طور پر نمایاں کرتے ہیں۔

مسلم لڑکیوں کے ارتداد اور غیر مسلموں سے شادی کا مسئلہ ایک ہمہ جہتی مسئلہ ہے، جس میں دینی، سماجی، قانونی اور فکری تمام پہلو موجود ہیں۔

دینی اعتبار سے یہ ایک سنگین انحراف ہے اور امت کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔

قانونی اعتبار سے یہ آئینی آزادی کے تحت ممکن ہے، لیکن شرعی و سماجی پہلوؤں سے اس پر تناؤ پیدا ہوتا ہے۔

سماجی اعتبار سے یہ واقعات خاندانی ڈھانچے، تربیت اور مذہبی کمزوریوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔

لہٰذا ضرورت ہے کہ:

1. مسلم گھرانے اپنی اولاد کو مضبوط دینی اور فکری بنیاد فراہم کریں۔

2. معاشرتی سطح پر نکاح کو آسان اور قابلِ عمل بنایا جائے تاکہ لڑکیاں غیر فطری راستے نہ اپنائیں۔

3. مذہبی ادارے اور علما اس موضوع پر سائنسی، منطقی اور دوستانہ انداز میں مکالمہ کریں، صرف فتوے اور سختی کافی نہیں۔

4. حکومت اور قانون اس بات کو یقینی بنائیں کہ ہر شخص کو اپنے مذہب کی تعلیمات کے مطابق جینے کا حق ہو، لیکن سماجی ہم آہنگی بھی قائم رہے۔ ◘

مسلم لڑکیاں فتنۂ ارتداد کی جال میں

از: محمد عامر حسین مصباحی

حالیہ دنوں میں شوشل میڈیائی پلیٹ فارم سے جس تیزی کے ساتھ مسلم لڑکیوں کا غیر مسلم لڑکوں کے ساتھ عشق و معاشقہ اور ہندوانہ رسم و رواج کے مطابق شادی کر لینے کی تصویریں اور ویڈیوز موصول ہو رہی ہیں۔

وہ مسلم سماج کے اندر بہت زیادہ بے چینی اور اضطرابی کیفیت پیدا کر رہی ہیں۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جتنی خبریں موصول ہو رہی ہیں اور جتنی تصاویر اور ویڈیوز آ رہی ہیں وہ سب کی سب صحیح نہیں بلکہ بہت سی فرضی کہانیاں، جھوٹی خبریں اور افواہیں بھی ہیں جسے سوچی سمجھی سازش کے تحت پھیلانے کا کام کیا جا رہا ہے تاکہ ہندوتوا وادی شدت پسند تنظیمیں اپنے ناپاک عزائم کو پایۂ تکمیل تک آسانی کے ساتھ پہنچا سکیں مگر ساری خبریں جھوٹی بھی نہیں کہ معتمد ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ پہلے کی بنسبت اس میں بہت تیزی آتی جا رہی ہے اور آئے دن ملک کے کسی نہ کسی صوبہ و ضلع سے ایسی خبریں آ ہی جاتی ہیں جس سے ہماری غیرت کا جنازہ نکل جاتا ہے ایک ہی ملک کے ہر صوبہ و ضلع اور بستی میں ساتھ ساتھ ہندو مسلم کا اجتماعی زندگی گزارنے کی وجہ سے شاذ و نادر ایسے واقعات پیش آجاتے تھے جس میں ایک مسلم لڑکے کو کسی غیر مسلم لڑکی سے یا ایک مسلم لڑکی کو غیر مسلم لڑکے سے محبت ہوگئی اور نتیجہ بھاگ کر کورٹ میرج کرنے تک پہنچ گئی مگر یہ کسی بھی دھرم کے ماننے والوں کے نزدیک درست عمل نہیں بلکہ اسلام میں تو اس طرح کی شادی سرے سے منعقد ہی نہیں ہو سکتی۔

مگر متشدد ہندوتوا وادی تنظیمیں اب ملک میں فرقہ واریت اور دنگے فساد برپا کرنے نیز ملک کی امن و شانتی کو بھنگ کرنے کے لیے ایک منظم سازش کے تحت مسلم لڑکے کی غیر مسلم لڑکی کے ساتھ حرام محبت و شادی کو ”لو جہاد“ کا نام دے کر ان چیزوں کو مسلمانوں کے عزائم سے جوڑ چکے ہیں اور اب اس کے خلاف پوری قوت کے ساتھ طاغوتی طاقتیں میدان میں آچکی ہیں، جہاں معاملہ ان کی اپنی لڑکیوں کا آتا ہے تو ”لو جہاد“ اور دوسری طرف خود منظم سازش کے تحت مسلم لڑکیوں کو جال میں پھنسا کر پیار و محبت کا نام دے کر

شادی کرادیتے ہیں۔ یہ کیسی دوغلی پالیسی ہے؟ضروری ہے کہ حکومتِ ہند اور عدالتِ عظمیٰ اس طرف مضبوط قدم اٹھائیں تاکہ اس معاملے کا حل نکالا جاسکے۔

اب ان کا مقصد ہر ایک پر واضح ہو چکا ہے کہ زیادہ سے زیادہ مسلم لڑکیوں کو اپنے جال میں پھنساکر شادی بیاہ اور گھومنے پھرنے کی آزادی کا لالچ دے کر ان کے ایمان کا سودا کیا جائے اور ان لڑکیوں کی زندگیاں تباہ کردی جائیں اور یہ حقیقت ہے کہ وہ لڑکیاں جو اپنی قوم اور مذہب سے غداری کرکے غیروں کے دامن میں چلی جاتی ہیں ان کی زندگیاں جہنم بنادی جاتی ہے ان کے ساتھ ناروا سلوک کیا جاتا ہے بلکہ زدوکوب کرکے جان تک لے لی جاتی ہے۔

ابھی چند دنوں قبل اخبار کی سرخی بننے والی یہ خبر ”مذہب چھوڑکر شادی کرنے والی رضوانہ کا عبرت ناک انجام“ یعنی باہر گھمانے کی فرمائش کرنے پر شوہر ’سدھارتھ‘ نے قتل کردیا“قلوب واذہان کو جھنجھوڑنے والی تھی۔

اسی طرح میرٹھ سے خبر آئی کہ ”حنا“اور ”افسانہ“ نامی لڑکیوں کے عاشق ”گوربھ تیاگی“اور ”آکاش“ نے دونوں کو خوفناک موت کا مزا چکھایا۔

یقیناً یہ خبریں اور یہ لڑکیاں باقی اس طرح کے ناپاک ارادہ رکھنے والی لڑکیوں کے لیے سراپا عبرت کا نشان ہیں مگر شوشل میڈیا پر اکٹیو رہنے والی لڑکیاں ان کے عبرت خیز انجام کی پرواہ کیے بغیر اپنے عاشقوں پر اعتماد کرکے ان کے ساتھ چلی جاتی ہیں حالانکہ ان کا بھی انجام وہی ہوتا ہے۔

اگر ماری نہیں گئیں تو انھیں بھی بے یارومددگار چھوڑ دیا جاتا ہے اور پھر نہ ہی انھیں اپنے عاشقوں کے گھر پناہ ملتی ہے اور نہ ہی والدین کے گھر۔ تعجب تو اس بات پر ہے کہ اسلام کی وہ مقدس شہزادیاں جنھیں ان کے دین و مذہب نے سب سے زیادہ پردے کا حکم دیا اور انھیں بار بار متنبہ کیا جاتا رہا کہ غیر تو غیر اپنوں (غیر محرم مسلمان) سے بھی حیا کریں اور اپنی نگاہیں نیچی کریں مگر کیا وجہ ہے کہ ہماری اسلامی بہنوں کی نگاہیں غیر اسلامی مردوں سے لڑنے لگ گئی ہیں؟۔

کیا وجوہات ہیں جو اسلامی طرزِ عمل سے ان کو بغاوت کرنے پر مائل کرنے لگی ہیں؟ کیوں ان کے قدم لڑکھڑانے لگے ہیں؟ کیوں ایک مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے والی شہزادیاں اپنی عزت وعصمت کا سودا کرنے کو تیار بیٹھی ہیں اور جائز طریقے پر نکاح کرکے گھر بسانے کی بجاے اپنی دنیا و آخرت سب کچھ تباہ کررہی ہیں؟؟؟

اگر ان اسباب وعلل پر نگاہ کرتے ہیں تو یہ وجوہات سامنے آتے ہیں۔

(۱)-قلوب میں خوفِ خدا و محبتِ رسول علیہ السلام کا فقدان۔

(۲)-مسلم گھرانوں میں اسلامی اور مذہبی ماحول کی جگہ مغربی ماحول کی پذیرائی۔

(۳)-عصری تعلیمات سے حد درجہ لگاؤ،قرآن و سنت اور دینی واسلامی تعلیمات سے دوری

(۴)-لڑکے اور لڑکیوں کو عصری اعلیٰ تعلیم دلانے کی خاطر شادی میں تاخیر کرنا۔

(۵)-وقت گزاری کے لیے فلمیں ،ڈرامے، سیریلز، کمیڈی اور فحش وحیا سوز ویڈیوز دیکھنا۔

(۶)-لڑکے اور لڑکیوں کا عصری علوم کے حصول کی خاطر ایسے کالجز اور یونیورسیٹیز کا رخ کرنا جہاں باہمی اختلاط کو غلط نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا بلکہ مرد و عورت کا قدم سے قدم ملاکر چلنا ترقی کی راہیں ہموار کرنا سمجھا جاتا ہے،لڑکوں کی لڑکیوں سے دوستی کو معیوب نہیں سمجھا جاتا بلکہ اسے بھی فیشن کے طور پر دیکھا جاتا ہے اور ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی

ہے۔

(۷)- غیر مسلم لڑکوں سے مسلم لڑکوں کی دوستی اور انھیں بخوشی اپنے گھروں تک لانا۔

(۸)- لڑکیوں کا اپنے بھائی کے غیر مسلم دوستوں سے بے تکلف ہوجانا۔

(۹)- والدین کا اپنے بچوں کی نگرانی نہ کرنا بلکہ انھیں آزادی کے نام پر ہر طرح کی کھلی چھوٹ دے دینا۔

(۱۰)- لڑکیوں کا خود سے پارچُن کی دکانوں پر جاکر بناؤ سنگار کا سامان خریدنا۔

(۱۱)- بلا ضرورت بغیر کسی محرم کے اکیلے ہی مارکیٹ میں زیورات کی دکانوں میں جانا۔

(۱۲)- لڑکیوں کا گھر سے باہر مکمل بن سنور کر نکلنا۔

(۱۳)- ہر گھر میں بلکہ ہر فرد کے ہاتھوں میں انڈرائڈ موبائل کا ہونا وغیرہ وغیرہ۔

یہ ساری وہ وجوہات ہیں جن سے آج ہماری نسلِ نو بھٹکتی، بگڑتی اور اپنے دین و مذہب سے باغیانہ رویہ اختیار کرتی جارہی ہے۔ اگر یہی سلسلہ رہا اور ان کی بہترین تعلیم و تربیت اور ان کی حرکات و سکنات پر کڑی نگاہ نہیں رکھی گئی اور جو حالیہ خبریں موصول ہورہی ہیں۔ اس سے ہوش کے ناخن نہ لیے گئے تو وہ دن دور نہیں جب ہم اپنی اولاد کی ذلیل حرکتوں سے ذلت و رسوائی کے گڈھے میں جاگریں گے اور ہمارا حال ناگفتہ بہ ہوجائے گا اور آنے والی نسلیں اس بے حیائی اور غلط روئی کا ہمیں ذمہ دار ٹھہرائیں گی۔

اس لیے وقت رہتے ہمیں اپنی اسلامی حس بیدار کرنی اور غفلت کی دبیز چادر کو پرے ہٹاکر بیدار ہونا ہوگا اور اپنے گھروں کو اسلامی تعلیمات اور اسلامی ماحول سے آراستہ کرنا ہوگا تبھی جاکر ہم ایسی ذلتوں سے محفوظ ہوسکتے ہیں۔ کیوں کہ اس کا واحد اور سب سے بہترین حل اسلامی ماحول اور اسلامی قوانین پر حتی الامکان عمل پیرا ہونا ہے۔ اب ہمارے لیے جاننا ضروری ہے کہ اسلام میں اس تعلق سے کیا حکم صادر ہوا ہے۔ تاکہ اس فتنۂ ارتداد پر لگام لگانا آسان ہوسکے۔

اسلام میں مشرکین سے شادی قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:۔

وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى یُؤْمِنَّ ؕ وَ لَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَیْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَ لَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِیْنَ حَتّٰى یُؤْمِنُوْا ؕ وَ لَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَیْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓىٕكَ یَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَ اللّٰهُ یَدْعُوْۤا اِلَى الْجَنَّةِ وَ الْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ

ترجمۂ کنز الایمان: اور شرک والی عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک مسلمان نہ ہوجائیں اور بے شک مسلمان لونڈی مشرکہ سے اچھی۔ اگرچہ وہ تمھیں بھاتی ہو اور مشرکوں کے نکاح میں نہ دو جب تک وہ ایمان نہ لائیں اور بے شک مسلمان غلام مشرک سے اچھا اگرچہ وہ تمھیں بھاتا ہو وہ دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ جنت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے۔

اپنے حکم سے خلاصہ یہ کہ انسانی فطرت ہے کہ خوب صورت اور پُرکشش چیزوں کی طرف طبیعت کا میلان زیادہ ہوتا ہے مگر ہر اچھی دِکھنے والی چیز کی قربت فائدہ مند نہیں ہوتی۔

ٹھیک اسی طرح ایک مرد کا خوب صورت عورت کی طرف طبیعت اور ذہن کا میلان فطری ہے مگر یہ جواز کی حد میں ہو تو سکون بخش ہے ورنہ اس کے مضر نتائج سے تاریخ پُر ہے۔ اس لیے مشرک مرد یا مشرکہ عورت سے ایک مسلمان کی شادی نہیں سکتی خواہ وہ خوب صورتی کے اعتبار سے جتنے اچھے بھلے معلوم ہوتے ہیں کیوں کہ یہ اچھی دِکھنے والی ایسی چیز ہے کہ اس سے جان اور جان سے قیمتی شئی ایمان کے لیے زہرِ ہلاہل ہے۔

مذکورہ آیتِ کریمہ شادی بیاہ کے ذریعہ فتنۂ ارتداد

سے بچنے کا مکمل حل ہے۔ لیکن ساتھ میں زناکاری وبدکاری سے بچنے کے متعلق جتنی زیادہ احتیاطی تدابیر اپنانے کا اسلام نے آپس میں حکم دیا ہے اس سے کہیں زیادہ احتیاط غیر مسلموں اور اور مشرکوں سے اپنانا ہوگا۔

تبھی جاکر ہم اس تباہی سے بچ سکتے ہیں۔ اسلام میں زناکاری وبدکاری سے بچنے کا نسخۂ کیمیا اللہ رب العزت نے قرآنِ مقدس میں ارشاد فرمایا:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ یَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ یَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَ لَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ لْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُیُوْبِهِنَّ ۪

ترجمۂ کنز الایمان: مسلمان مردوں کو حکم دو اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لیے بہت ستھرا ہے بے شک اللہ کو ان کے کاموں کی خبر ہے۔ اور مسلمان عورتوں کو حکم دو اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی پارسائی کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ سنگار ظاہر نہ کریں۔

زنا کے قریب بھی جانے سے منع۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِیْلًا

ترجمۂ کنزالایمان: اور بدکاری کے پاس نہ جاؤ بے شک وہ بے حیائی ہے اور بہت ہی بُری راہ اس آیتِ کریمہ میں بدکاری اور زناکاری سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔

چاہیے کہ آدمی زنا سے بلکہ اس کے لوازمات و اسباب سے بھی بچتا رہے تاکہ اس کا گناہ سے بچنا آسان ہو۔

زنا کے اسباب نو ہیں:

(۱)- بے پردہ عورتوں کا اجنبی لوگوں میں چلنا پھرنا۔

(۲)- اجنبی سے خلوت میں بیٹھنا، ملنا جلنا

(۳)- بھڑکیلا، فینسی لباس پہن کر اجنبی کے سامنے آنا۔

(۴)- مخلوط تعلیم۔

(۵)- فلم اور ڈرامے اور تصویریں دیکھنا۔

(۶)- گانے ناچ اور طبلے سارنگی سننا

(۷)- چست لباس پہننا۔

(۸)- سُرخی پوڈر لگاکر عام محفلوں میں آنا۔

(۹)- دکانوں میں کاروبار عورتوں کے ہاتھ میں دینا جب کہ غیر مرد بھی گاہک ہوں شریعت میں اجنبی ہر وہ شخص ہے جس سے نکاح جائز ہو۔ (تفسیر نعیمی جلد ۱۵ / ص: ۱۶۷)

ان تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود شامتِ نفس کی وجہ سے کسی سے زنا سرزد ہوجائے تو پھر شریعت نے اس کی سزا مقرر کی ہے اگر دونوں یعنی زانی اور زانیہ غیر شادی شدہ ہوں تو انھیں سو کوڑے مارنا ہے اور شادی شدہ ہوں تو انھیں سنگسار کرنا ہے اگر اس اسلامی قانون کو نافذ کر دیا جائے تو سماج سے بہت حد تک زنا جیسی بُرائی کا خاتمہ ہوجائے گا۔

مگر چوں کہ یہاں اسلامی قانون نہ ہونے کی وجہ سے مذکورہ سزا نہیں دی جاسکتی اس لیے سماج کے لوگ مناسب سزا تجویز کریں گے اور نہ ماننے کی صورت میں سماجی بائیکاٹ کرنے کا حکم ہے تاکہ یہ بُرائی جڑ سے ختم ہو۔

اب قابلِ غور بات یہ ہے کہ جب آپسی حکم اتنا شدید ہے تو غیروں کے ساتھ کا کتنا شدید حکم ہوگا۔

یقیناً اس میں ایمان وعقیدے اور جسم وجان سب کا خطرہ ہے اس لیے اس کے سدِباب کے لیے ہر ممکن کوشش کی جائے۔

اللہ رب العزت قوم کی بیٹیوں کو اس بلا سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

▪▪▪▪▪▪

گوشۂ ادب

مشعلِ تنویر—ایک جائزہ

سید محمد مجیب الحسن نوّابی

حضرت نوؔر نے شاید سات سال پہلے ایک شعر رقم کیا تھا

غالب کی زمینوں میں بھی کہہ لیتے ہیں نعتیں
ہم فکر سخن کو کبھی رسوا نہیں کرتے

اب سوال یہ اٹھنا چاہیے کہ فکر سخن کی رسوائی اور غالب کی زمینوں میں نعتیں کہنے کا کیا تعلق ہے؟

اس کی پہلی تعبیر یہ ہو سکتی ہے کہ میں اساتذہ کی زمینوں میں بھی خدا کی بخشی ہوئی استعداد سے نعتیں کہنے کا ہنر رکھتا ہوں، اور دیگر اصناف شاعری جن میں مضامین ہوس پیشگی موجود ہوں، ایسی شاعری کو فکر سخن کی رسوائی جانتا ہوں۔

دوسری تعبیر، جو ذرا بعید از قیاس بھی معلوم ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ غالب یا دیگر اساتذہ کی زمینوں میں نعت کہتے وقت میں معیار فن سے کبھی سمجھوتا نہیں کرتا، اور نعتوں میں وہ سب کچھ کہنے کی کوشش کرتا ہوں جو معیاری شاعری کی شناخت ہے۔

میں صرف سیرت نگاری کر کے روکھی پھیکی شاعری نہیں پیش کرتا، بلکہ میری نعت غزل ہی کے روحانی سفر کی منزل کمال ہے۔

حضرت نوؔر نے غاؔلب کے بعد میر تقی میؔر کی غزلوں کو جامۂ نعت پہنایا، بعد ازاں خواجہ میر درد اور مومن کی بھی سنگلاخ زمینوں میں نعتوں کے لالہ و گل کا کشت زار سجایا۔

ان تمام مجموعوں کی کامیابی اور پذیرائی نے انھیں بار دگر اساتذہ کی جانب رجوع کرنے کی تحریک دی، اور یوں انھوں نے اپنے رخش فکر کو دہلی سے لکھنؤ کی جانب موڑ دیا۔

جہاں تک لکھنؤ کا تعلق ہے، اس دور کے شعری منظر نامے پر جو غزلیں ابھر کر سامنے آتی ہیں، وہ عموماً روکھی، پھیکی اور بے نمک معلوم ہوتی ہیں۔ ان کے نمونے یہاں پیش کرنا دراصل کارِ بے سود ہے۔ وہ تمام صنعت گری اور رعایت لفظی و ضلع جگت اور معاملہ گوئی سے معمور غزلیں، زرد موسموں کی نذر ہو گئیں۔ لوگوں کے ذہنوں سے ایسی شاعری محو ہو ہی جاتی ہے جس کا تعلق دل کے بجائے صرف ذہن سے ہو۔

تاہم لکھنؤ کی ایک شاخِ ادب ایسی ضرور ہے، جس کی یاد آج بھی تذکروں میں تر و تازہ ہے۔ وہ ہے وہاں کی مذہبی شاعری۔ یہی وہ شعبۂ شعر گوئی ہے، جس پر آج بھی تحقیقی کام جاری ہے۔

لکھنؤ کے بالمقابل، دہلی کے شعرا کے بارے میں جو دعوے کیے جاتے ہیں، مثلاً اثر آفرینی، دروں بینی، نشتریت وغیرہ، یہ سب اپنی جگہ درست ہوں گے، مگر نعت و مناقب کے حوالے سے شعرائے دہلی کے ہاں وہ مثالیں کم ملیں گی، جو لکھنؤ کے شعرا نے فراوانی سے پیش کی ہیں۔

جہاں ایک طرف ضمیؔر و خلیؔق، فصیؔح و مونسؔ، عشقؔ و تعشقؔ، اور انیسؔ و دبیؔر جیسے قد آور مرثیہ گو موجود تھے، وہیں اسی عہد میں ناسؔخ جیسے سخن ور نے بھی مولود نامہ اور معراج نامہ جیسی نعتیہ مثنویاں تخلیق کیں، اور مضامینِ نو کے انبار لگا دیے۔

مقامِ افسوس ہے کہ ناسؔخ کی ان نعتیہ خدمات پر نعت شناسوں کی نگاہِ توجہ نہیں پڑی، بجز یحییٰ نشیطؔ کے، جنھوں نے اپنی کتاب "اردو میں معراج نامہ" میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ حالاں کہ ناسخ کا کلیات کوئی نایاب چیز نہیں، کہ اُس تک رسائی مشکل ہو۔

دراصل ہمارے عہد کے بیش تر مذہبی قلم کاروں کا المیہ

یہی ہے کہ ادبِ اردو کے مطالعے میں وہ تقریباً صفر کے درجے پر ہیں۔ نعتیہ مجموعوں پر ان کے دیباچے اور تقاریظ پڑھ لیجیے، وہی صورت نظر آئے گی، جو قدیم غزلوں میں دکھائی دیتی تھی؛ یعنی مضمون کی تکرار، اسلوب کی یکسانیت، اور جدت کا فقدان۔

کوئی لفظ "نعت" کی لغوی و اصطلاحی تحقیق میں الجھا ہوا ہے، کوئی نعت گوئی کی تاریخ لکھنے لگتا ہے، اور کوئی آدابِ نعت نگاری کے حوالے سے چند صفحات وقف کر دیتا ہے۔ حالاں کہ ان تمام موضوعات پر مستقل اور وقیع کتابیں پہلے ہی سے موجود ہیں۔

صرف رفیع الدین اشفاق کا تحقیقی مقالہ "اردو میں نعتیہ شاعری" ہی ایسی تمام علمی و تحقیقی ضرورتوں کی کفالت کرتا ہے۔

میں اپنے موضوع سے منحرف نہیں ہو رہا ہوں، بلکہ یہ وضاحتیں اس لیے ضروری ہیں، تاکہ اس کتاب کی اہمیت قاری پر آشکار ہو جائے۔

بات ہو رہی تھی ناسخ کے تقدیسی کلام کی۔ حضرت نور نے اس سے قبل جن چار شعرا کی زمینوں میں نعتیہ مجموعے تصنیف کیے، ان میں میر تقی میر کا کلام مقدار کے لحاظ سے سب سے زیادہ ہے۔ میر کے ہاں ہر صنف میں وافر ذخیرۂ سخن موجود ہے۔ غالب، مومن اور خواجہ میر درد سے کہیں زیادہ۔ اسی طرح ناسخ کے بھی کلام کی مقدار ان تینوں کے بالمقابل زیادہ وسعت رکھتی ہے، اور اسی فراوانی کے باعث اس کے ہاں معتدبہ اصنافِ سخن کے نمونے پائے جاتے ہیں، جن میں نعتیہ تخلیقات بھی شامل ہیں۔

تاہم، کلام کی یہ کثرت اس بات کی ضمانت نہیں کہ نعتیہ شاعری بھی اسی تناسب سے دست یاب ہوگی۔ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ محسن کاکوروی، کرامت علی شہیدی، غلام امام شہید اور لطف بریلوی جیسے شعرا کی غزلیں اگرچہ کم یاب یا نایاب ہیں، مگر نعت گوئی کے فیض نے ان کے ناموں کو تاریخِ ادب میں دوام بخشا ہے۔ ان کی غزلوں کی تعداد کم سہی، لیکن نعتیہ ادب کی تاریخ ان کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔

حضرت نور کا معاملہ ان تمام شعرا سے مختلف ہے۔ یہاں غزلوں کے ساتھ نعت گوئی کا سلسلہ بہ یک وقت جاری و ساری ہے۔

یہ کہا جاتا ہے کہ جو شاعر غزل کی وادیوں سے ہو کر چمنستانِ نعت میں قدم رکھتا ہے، اس کی نعتوں میں ادبی محاسن زیادہ پائے جاتے ہیں۔ لیکن حضرت نور نے راست غزل گوئی کی جگہ اولاً نعت نگاری سے اپنے شعری سفر کا آغاز کیا، اور بعد ازاں بہار یہ شاعری کی جانب ملتفت ہوئے، اور اسی التفات کا نتیجہ اساتذہ کی زمینوں میں ان کے نعتیہ مجموعے ہیں۔

نعت اور غزل گوئی کے علاوہ ان کی شاعری کی تیسری جہت منقبت نگاری ہے۔ منقبت اور نعت کا تعلق باہم اسی طرح مربوط ہے، جیسے اصحاب کسا علیہم السلام کی ذوات مقدسہ ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہیں۔ برائے ثبوت یہاں متعدد احادیث مبارکہ پیش کی جا سکتی ہیں، محض "من کنت مولاہ" اور "فاطمہ بضعت مِنی" یاد رہے، تو ذہن میں کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا۔

مجموعۂ ہٰذا میں حمد و مناجات کے بعد جو پہلا شعر ہے، وہ کچھ یوں ہے

منگتا ہوں پنج تن کے درِ بے نظیر کا
رخ دشمنِ رسول کی جانب ہے تیر کا

مطلب یہ ہے کہ آپ کی غیرتِ ایمانی، دشمنانِ رسول سے آپ کی بیزاری اور عداوت یہ سب بھی قابل لحاظ ہیں، اگر آپ خود کو اہل بیت کے در اقدس سے وابستہ رکھتے ہیں۔ ورنہ سب باتیں ہی باتیں ہیں، اس لیے کہ

عشق رسول پاک کہاں یہ بشر کہاں
اس داغ کی نمود کے قابل جگر کہاں

(بیخود دہلوی)

ہمارے بعض احباب کو نئی انوکھی اصطلاحات وضع کرنے کا خاصہ شوق ہے۔ انھی رنگین اصطلاحوں میں ایک

"شرک فی النعت" بھی اپنے بال و پر نکال رہی ہے۔

میں پیشتر بھی یہ تحریر کر چکا ہوں کہ نعت میں منقبتی اشعار کی بہتات سے اجتناب کرنا چاہیے۔ مگر یہ کیا کہ اگر کوئی آل و اصحاب کا ذکر کر دے، یا بوقت نعت گوئی اولیاے کرام میں سے کسی کی یاد دل میں اچانک انگڑائی لے، اور بے ارادہ کوئی منقبت کا شعر اسے الہامی صورت میں عطا ہو جائے، تو کیا ایسی نعمت کے حصول سے گریزاں ہونا لازم ہے؟

یا پھر اس شعر کو نعت سے علیحدہ کر کے ایک مستقل منقبت تصنیف کرنی چاہیے؟ دونوں خیالات بے جان ہیں، کیوں کہ اولیاے کرام جب غیر اللہ نہیں، تو غیر نبی کیسے ہو سکتے ہیں؟

اور شرک فی النعت کی تہمت اس وقت لائق اعتنا ہوگی، جب کسی غیر کا ذکر شامل نعت ہوگا۔

نعت گوئی چوں کہ صوفی شعرا کے لیے شغل باطنی بھی ہے۔ اگر کوئی مرید بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر ہو، اور اپنے پیر کی یاد سے غافل ہو جائے، تو ارباب طریقت کے نزدیک وہ احسان فراموش ہے۔ کیوں کہ ایک صوفی یہ بات صاف لفظوں میں کہتا ہے

بہ شکل شیخ دیدم مصطفیٰ را

پھر وہ یہیں نہیں رکتا، بلکہ عالم جوش و مستی میں یہ بھی کہہ دیتا ہے

نہ دیدم مصطفیٰ را بل خدا را

جب تک آل و اصحاب اور دیگر پاکان امت کو نور محمدی ﷺ کا مظہر نہیں سمجھا جائے گا، تب تک اسی نوع کی التباس انگیز اصطلاحات کا ظہور ہوتا رہے گا۔

میں نے باب نعوت میں موجود جس نعت سے پہلا شعر نقل کیا تھا، اسی نعت سے ایک اور شعر نقل کیے دیتا ہوں، تاکہ یہ بحث اختتام کو پہنچے۔

ہے میرا ہاتھ، ہاتھ میں نواب پیر کے
حاصل مجھے ہے واسطہ نواب پیر کا

اس شعر میں سالکان راہ کے لیے آداب حضوری بھی مضمر ہیں۔ شاعر نے محض اپنے شیخ کا ذکر ہی نہیں کیا، بلکہ یہ سبق یاد دلانے کی کوشش کی ہے کہ اس عرش سے نازک تر ادب گاہ میں جب پہنچو، تو اپنے پیر کا ہاتھ اور مضبوطی سے تھام لو، اور بغیر واسطۂ شیخ حاضری کو روا مت سمجھو۔ اور جو کچھ کہنا ہو، صرف احساس کی زبان میں کہو۔ بہ ہر حال یہ باتیں اور یہ احتیاطیں اپنے اپنے ذوق کے مناسب حال ہوتی ہیں۔ یہ لازم نہیں، کہ ہر کسی کو راس آئیں۔

ویسے بھی تقدیسی ادب کے حق میں جزمی طرز فکر (Dogmatic Approach) صحت مند نہیں۔ "مستند ہے میرا فرمایا ہوا" کہتے ہوئے آپ زیادہ دور تک نہیں چل سکتے۔

میں اگر چاہوں، تو یہاں پوری کتاب سے ایک ایک شعر نقل کروں، اور پھر اپنے طبعی میلان کے مطابق ان کی شرحیں بھی لکھ ڈالوں۔ لیکن اس سے قارئین کا فائدہ کچھ نہیں ہوگا، کیوں کہ ایک صاحب نظر قاری کو زاویۂ غیر در کار نہیں۔

البتہ کتاب ہٰذا چوں کہ دو شاعروں سے نسبت رکھتی ہے، تو اسے عام مجموعۂ نعت سمجھ کر نہ پڑھا جائے۔ کتاب کا نام "مشعل تنویر" ہے۔ غزلیات ناسخ کی زمینوں کو "مشعل" سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، اور حضرت نور کی نعتوں کو اس کی "تنویر" کہیے۔

اس کتاب میں آپ کو لکھنویت یا دہلویت نہیں ملے گی، جیسا کہ حضرت نور نے اپنے پیش لفظ میں یہ واضح کر دیا ہے کہ انھوں نے ناسخ کے اسلوب شعر گوئی کی نقالی نہیں کی۔

تاہم ایک چیز قابل غور ہے کہ اس مجموعے میں شامل نعتیں طویل ہیں، اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاعر نے قصداً بسیار گوئی سے کام لے کر شعراے متقدمین سے اپنے معنوی ربط کی جانب اشارہ کیا ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ حضرت نور کے سابق نعتیہ مجموعوں میں، جو مختلف اساتذۂ سخن کی زمینوں پر مبنی ہیں، ناسخ کی زمینوں میں کہی گئی نعتوں پر مشتمل یہ مجموعہ سب سے ضخیم ہے۔

اس کتاب کی اشاعت سے امید کی جا سکتی ہے کہ لکھنؤ سے وابستہ قدیم شعرا کی تصانیف میں ابیات نعت کی تلاش و تحقیق کا آغاز ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کتاب کے ادبی حلقوں میں پہنچنے کے بعد کلام ناسخ کی خشک ہوتی رگوں کو تازہ خون فراہم ہو جائے۔

یہ تسلیم کہ ناسخ کی غزلیں ذہن کی بھول بھلیوں سے نکل کر دل کے آنگن میں نہیں اتر پاتیں۔ اس کی زبان استعاروں کی زبان ہے، محاوروں کی نہیں۔ وہ سادہ گوئی نہیں، بلکہ تازہ گوئی کا علم بردار تھا۔ اور آج جدید اردو غزل کہیں نہ کہیں اس کی مرہون منت ضرور ہے، خواہ بالواسطہ ہی سہی۔ یہ وہی ناسخ تھا، جس نے جرأت و رنگین کی مبتذل شاعری کے برخلاف علیحدہ رنگ اختیار کیا، اور اس انداز شعر گوئی کا رخ موڑنے کی کوشش کی۔ یہ اور بات کہ لکھنؤ کے "خوش مزاجوں" نے اپنا کام جاری رکھا، اور طرفہ یہ کہ کہیں کہیں خود ناسخ بھی اس وبا سے بچ نہیں سکا۔

اس کی کلیات میں موجود یہ پہلا شعر ہے؎

بلبل ہوں بوستانِ جنابِ امیر کا
روح القدس ہے نام مرے ہم صفیر کا

اس نے یہ شعر دو سو سال پہلے کہا تھا۔ اس کی یہ زمین خوب پھلی پھولی۔ اس میں بھرپور مراثی وسلام کہے گئے۔

اور آخر ش عشرت کدۂ لکھنو بھی اجڑ گیا۔ نہ اندر سبھا رہی۔ نہ دلوں کو گرمانے والا کوئی غزل سرا باقی رہا، نہ کوئی مرثیہ گو رہ گیا جو اپنے عاشورائی ابیات کے آئینوں میں عکس کربلائے معلیٰ دکھانے کی قدرت رکھتا ہو۔

لیکن کسے خبر تھی کہ دو صدیاں گزر جانے کے بعد پھر ناسخ کو نیا ہم صفیر مل جائے گا۔ اور اس مرتبہ اس کی ہم نوائی کرنے والی شخصیت حضرت تنور کی ہوگی، اور اس ہم نوائی کا وجد آفریں رنگ کچھ یوں نمایاں ہوگا؎

ہر سانس میری کرتی ہے مدحت نوائیاں
"بلبل ہوں بوستان جناب امیر کا"

یہ کیوں کر ممکن تھا کہ جناب امیر کے بوستان میں نغمہ سرائی کرنے والے طائر کو روح القدس کی تائید حاصل نہ ہو؟
مشعل تنویر اسی دعائے مصطفیٰ ﷺ کا روحانی تسلسل ہے: اللهم ايده بروح القدس
(اے اللہ! روح القدس کے ذریعے اس کی مدد فرما)◘◘

(ص:53 کا بقیہ) اور بینکوں کے آفیسرز نے خطاب کیا جن میں پروفیسر سید بدیع الدین سہروردی (چیئر پرسن اسلامک سپریم کونسل آف کینیڈا)، محمد اسلام احمد (CEO الناصح سیلوشن)، مفتی محمد منیر ازہری (ڈائریکٹر آف برٹش فتویٰ کونسل، برطانیہ)، مفتی محمد ندیم صدیقی (RSEM سندھ بینک)، مفتی محمد ارقم ابراہیم، مفتی محمد عمر اعوان (RSBM نیشنل بینک آف پاکستان)، محمد فیصل شیخ (سربراہ شریعہ ایڈوائزر فیصل بینک)، اعظم اقبال پیرانی (ایگزیکٹیو ڈائریکٹر COO, EFU)، مفتی محمد وسیم اختر (شریعہ بورڈ ممبر اساس سروسز)، پروفیسر ڈاکٹر سید عبدالرحمٰن شاہ (علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، اسلام آباد)، ڈاکٹر عمر مصطفیٰ انصاری (سکریٹری AAOIFI)، شیخا اُم روما (اسٹینڈر بینک آف ساؤتھ افریقہ)، میڈم زیبا طیبہ، مفتی سید اویس علی (حلال لیڈ آڈیٹر ختام انٹر نیشنل) وغیرہ جیسی مقتدر شخصیات شامل ہیں، جب کہ اسٹیٹ بینک آف پاکستان اور دیگر بینکس و مالیاتی اداروں، منی چینجرز، اساتذہ جامعات، وکلاء، صاحبان قلم و قرطاس، علما و مشائخ اور زندگی کے دیگر شعبہ جات کے خواتین و حضرات کی بڑی تعداد نے شرکت کی اور کانفرنس کے ویژن کو سراہتے ہوئے ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کو مبارکباد دی۔ کانفرنس کے مختلف سیشنوں میں صدر، مہمان خصوصی اور مقررین و اسکالرز کو یادگاری شیلڈ امام احمد رضا کانفرنس 2025 کے ساتھ مجلہ امام احمد رضا کانفرنس 2025 کا تحفہ پیش کیا گیا، آخر میں ہدیہ درود و سلام اور دعائے خیر پر کانفرنس کا اختتام ہوا۔

افکار امام احمد رضا کی روشنی میں سود سے نجات اور حلال معیشت کے فروغ اور ارتقاء پر اپنی نوعیت کی یہ منفرد امام احمد رضا کانفرنس 2025
www.youtube.com/IdaraAalaHazrat اور
www.facebook.com/IdaraAalaHazrat
لنکس پر بھی براہ راست نشر کی گئی جو بعد میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ از: ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری
(معتمد، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی)۔◘◘

نقدونظر

رسائل تصوف-ایک جائزہ

مفتی محمد اعظم مصباحی مبارک پوری

اس وقت ہمارے سامنے تصوف ومعرفت کے مضامین کا حسین گلدستہ ”رسائل تصوف“موجود ہے،یہ مجموعہ ہے ہندوستان کے عظیم محدث صاحب کنزالعمال امام علاءالدین بن حسام الدین متقی ہندی علیہ الرحمہ کے پانچ عظیم رسائل کا۔

امام علاء الدین متقی رحمہ اللہ تعالیٰ غیر منقسم ہندوستان کے بڑے پایے کے محدث، باکمال صوفی بزرگ ہیں۔ ان کی ولادت 885ھ مطابق 1480ء میں دکن میں ہوئی ۔ فقہ و حدیث اور طریقت وتصوف وغیرہ میں کئی کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں حدیث نبوی کا عظیم انسائیکلوپیڈیا کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال کو غیر معمولی اہمیت و مقبولیت حاصل ہے، اس کے علاوہ عربی اور فارسی میں مختلف علوم وفنون پر کئی ایک رسائل بھی تصنیف فرمائے جن کی تعداد تقریبا100 کے قریب ہے، انھی میں سے رسائل تصوف نام سے یہ پانچ رسائل کا مجموعہ بھی ہے جسے اردو زبان میں اشرفیہ اسلامک فاؤنڈیشن نے شائع کیاہے۔ ان میں سے چار رسائل عربی میں تھے جب کہ آخری رسالہ ”التجریب الوافی فی الحبر الصافی“ فارسی میں، ان کی افادیت واہمیت کے پیش نظر محترم المقام ابوالبرکات بشارت علی صدیقی اشرفی کی تحریک پر جواں سال عالم دین مولانا میزان الرحمٰن علائی نے ان کو اردو کے قالب میں ڈھالنے کی سعیِ حسن کی ہے۔

ترجمہ نگاری کوئی آسان فن نہیں، اس کی اہمیت وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس نے اس دشت کی سیاحی کی ہو۔ ہم کتاب کے مندرجات سے متعلق کچھ باتیں عرض کرنا چاہتے ہیں۔ محترم بشارت علی صدیقی نے امام علی متقی ہندی کی حیات وخدمات پر سیر حاصل گفتگو کی ہے، انھوں نے مصنف کے حالات، سلسلۂ طریقت، خدمات وکرامات اور خصوصیات کے ساتھ ساتھ مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقریبًا80 تصنیفات کا ذکر کیاہے۔ ان میں سے انھوں نے تقریبا ڈیڑھ درجن رسائل کا مختلف علماے اہل سنت کے ذریعے ترجمہ کرا کے شائع کیا ہے۔ الحمدللہ راقم الحروف محمد اعظم مصباحی مبارک پوری استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کو بھی امام علی متقی کے تصوف کے دو رسائل ”ہدایۃ ربی عند فقد المربی“ اور ”سلوک الطریق اذا فقد الرفیق“ کے ترجمہ کرنے کی سعادت حاصل ہے، یہ رسائل بھی اشرفیہ اسلامک فاؤنڈیشن سے ”بے مرشد سلوک راہ“ کے نام سے شائع ہوئے۔

اس مجموعہ کا پہلا رسالہ ”التحذیر عن الوقوع فی المھلکۃ والبلیۃ لمن شرع فی علم الحقائق بلا اھلیۃ“(بغیر اہلیت کے علم حقائق یعنی تصوف وطریقت میں قدم رکھنے والے کے لیے تنبیہ ہلاکت اور مصیبت) ہے اس رسالے میں سلوک وطریقت کی راہ اختیار کرنے والوں کے لیے کچھ رہنما اصول بتائے ہیں جن پر عمل پیرا ہونا نہ صرف ایک سالک وعارف کے لیے ضروری ہے م بلکہ عام انسان کو بھی ان اصولوں کی پابندی کرنے سے دنیا وآخرت میں سرخروئی نصیب ہوتی ہے۔ ان میں دو اصول ہم یہاں نقل کرتے ہیں-

1- بندہ اپنے اوقات کو ظاہری عبادتوں سے معمور رکھتا ہو۔ وہ دائم الذکر ہو، بایں طور کہ اس کا کوئی بھی لمحہ ذکر الٰہی سے خالی نہ ہو۔(ص:59)

2- اہلیت کی ایک شرط تزکیۂ نفس ہے ، اور تزکیۂ نفس

سے مراد: تمام اخلاق حمیدہ سے آراستہ اور اخلاق مذمومہ سے پاک ہوتا ہے۔ تزکیہ نفس کی علامت یہ ہے کہ بندہ اس شخص کے ساتھ بھی حسن سلوک کرے جو اسے اذیت دیتا ہو، اگرچہ یہ حسن سلوک دعاؤں ہی کے ذریعے کیوں نہ ہو۔ (ص:59)

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں اس نے انسانوں پر کس قدر انعام واکرام کی بارشیں نازل کی ہیں وہ انسانی شمار وحساب سے بالاتر ہیں، خود انسان اپنے وجود میں غور وفکر کرے تو اندازہ ہوگا کہ اس کے اندر اللہ تعالیٰ نے کیسے کیسے قیمتی اعضا رکھے ہیں، بے شمار چیزیں اس کے برتنے کے لیے عطا کی ہیں، سورج کی روشنی، ہواؤں اور بارشوں کا انتظام، دریا پہاڑ، سمندر، ندی نالے، زمین، آسمان، مختلف قسم کے پھل سبزیاں؛ سب اللہ تعالیٰ کی بیش قیمت نعمتیں ہیں، غرض انسان کے اندر اور اس کے گردو پیش نعمتِ الٰہی کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ موجود ہے۔ قرآن کریم کی بہت سی آیات میں ان نعمتوں کا تذکرہ ہے اور ان پر انسانوں کو منعمِ حقیقی کا شکر بجا لانے کی ترغیب بھی۔ اس مجموعۂ رسائل میں ایک رسالہ "نعمات الٰہی کا ذکر جمیل" بھی ہے جس کا عربی نام "تذکار النعم والعطایا فی الصبر والشکر علی الفقر والبلایا" ہے اس میں امام علی متقی علیہ الرحمہ نے بعض نعمتوں کا ذکر کیا ہے، اس کی ضمن میں عظیم نعمتیں؛ سانس، عقل وذہانت امراض اور عیوب سے سلامت جسم کے ہر کل پرزے کی تخلیق کی حکمت وغیرہ پر بڑے عارفانہ انداز میں گفتگو فرمائی ہے، ساتھ ہی کچھ نصیحتیں بھی شامل کتاب کی ہیں جو بندے کو رب سے قریب کرنے میں مدد ومعاون ثابت ہوں گی۔

اس مجموعے کا تیسرا رسالہ نعم المعیار والمقیاس (مراتب الناس مراتب انسان کے عرفان کا عمدہ معیار) ہے اس میں مصنف علیہ الرحمہ نے اعمال کے اعتبار سے انسانوں کے اقسام عامی فاسق، عامی صالح، خاص اور اخص الخواص وغیرہ کو بڑے عمدہ انداز میں قرآنی ایات کی روشنی میں واضح کیا ہے، مزید اس موضوع سے متعلق مفید باتیں ذکر کی ہیں۔

دنیا کی معرفت وحقیقت، اس کی مذمت وغیرہ سے متعلق ضروری ہدایت قرآن وسنت اور اقوال بزرگان دین کی روشنی میں بتائی ہیں۔ اس رسالے کا عربی نام "الغایۃ القصیا فی معرفۃ الدنیا" ہے، اسے بھی مولانا میزان الرحمٰن علائی اردو زبان میں منتقل کیا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور جب بندہ اس میں اچھی طرح سے حسنِ اعمال کی کاشت کرے، مناسب طور سے اس کی غذا پانی کا انتظام کرے اور اس کھیتی کو تباہ کرنے والی چیزوں مثلا ریاکاری، رب کی معصیت، محرمات وغیرہ کا ارتکاب کرنے سے محفوظ رکھے اور توشۂ آخرت تیار کرنے میں لگا رہے تو اس کے لیے یہ سعادت اخروی کی بات ہوگی۔

اس کتاب کا آخری رسالہ "عمدہ اور پائدار سیاہی بنانے کا طریقہ" ہے، یہ فارسی زبان میں امام علی متقی ہندی کے "التجریب الوافی فی الحبر الصافی" نامی رسالے کا ترجمہ ہے۔ اس میں امام علی متقی رحمۃ اللہ علیہ نے عمدہ سیاہی کے تیار کرنے کے طریقے اور نرم اور ملائم کاغذوں کے لیے کون سی سیاہی موزوں ہے اور موٹے کاغذات پر کون سی سیاہی استعمال کرنے سے تحریر واضح اور خوب صورت ہوگی ان ساری ترکیبوں کو بڑے احسن انداز میں ذکر کیا ہے، ساتھ ہی ساتھ موضوع سے متعلق کچھ اہم اور ضروری باتیں بھی پیش کی ہیں۔

اتنے بڑے محدث اور کنز العمال جیسی عظیم کتاب کے مصنف عارف باللہ حضرت امام علی متقی ہندی کے اس رسالے کو دیکھ کر یہ امر بخوبی واضح ہوتا ہے کہ ہمارے بزرگان دین دینی علوم کے ساتھ ساتھ عصری تقاضوں، زمانہ کی ضروریات اور اہل زمانہ کی مکمل معرفت رکھتے تھے۔ درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور رشد وہدایت کے ساتھ کتابت بھی کرتے تھے۔ اکثر اپنی کتابوں کی خود کتابت کرتے، ان کا ذریعہ معاش بھی یہی تھا۔ بہر کیف پورا مجموعہ قابل مطالعہ ہے، اس کی طباعت اشاعت پر ناشر ومترجم اور جملہ رفقائے کار کو مبارکباد دیتے ہیں۔

■■■■

صدائے بازگشت

ماہ نامہ اشرفیہ کی انفرادیت

بخدمت گرامی جناب ایڈیٹر صاحب

ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے کہ مزاجِ گرامی بخیر ہوں گے۔

ماہنامہ اشرفیہ اپنی علمی اور ادبی روایات کی پاس داری اور دینی صحافت میں ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔ اسی تناظر میں، بندہ نے موجودہ دور کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک مقالہ **"عصری علوم اور علمائے ہند: وقت کی پکار اور قیادت کا نیا معیار"** کے عنوان سے تحریر کیا ہے۔ یہ مضمون اشاعت کی غرض سے ارسال خدمت ہے۔ اگر ادارتی پالیسی کے تحت **نفسِ مضمون میں کسی بھی قسم کے ردوبدل، ترمیم یا حذف واضافہ کی ضرورت محسوس ہو**، تو براہِ کرم اس کی نشاندہی فرمادیں یا مطلع کریں، تاکہ آپ کے مشورے کے مطابق اسے حتمی شکل دی جاسکے۔ امید ہے کہ آپ اس کاوِش کو اپنے مؤقر جریدے میں جگہ دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات کو قبول فرمائے۔ والسلام،

نیاز مند: **نبیل احمد غزالی** بیگوسرائے، بہار

شعبۂ بزنس مینجمنٹ

نجم الدین اربکان یونیورسٹی، قونیہ، ترکی

رشتہ بھائی بھائی کا!!

مکرمی! پہلے کہا جاتا تھا کہ دنیا گول ہے لیکن اب یہ کہنا چاہیے کہ دنیا مطلب پرست ہے، دنیا مفاد پرست ہے جب تک مطلب اور مفاد ہوگا تب ایک دوسرے کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہوگا، گفتگو، سلام کلام ہوگا، دعوت تواضع ہوگی، خاطر داری ہوگی، ی مطلب نکل جانے پر راستہ الگ الگ، سلام کلام ایسا کہ کوئی ذائقہ نہیں، کوئی مٹھاس نہیں، کبھی مل بھی گئے تو خلوص نہیں، کبھی کچھ کھلا بھی دیا تو خوداری چھیننے کے بعد، ہاتھوں پر دو کوڑی بھی رکھا ذلیل کرنے کے بعد اور بعد میں کبھی حال چال بھی لیا تو احسان جتانے کے بعد،، غرضے کہ کہا جاتا ہے یہ زندگی ایسی ہے کہ کب کہاں زندگی کی شام ہوجائے یقیناً اس کہاوت میں سچائی ہے اور آگے یہ بھی کہنا چاہیے کہ کب کہاں کس کا مزاج بدل جائے کب کہاں کوئی شخص مفاد پرستی میں مبتلا ہوجائے اور خاندان، پڑوس، رشتہ دار، دوست احباب کو بھلا بیٹھے تعلقات کے تمام مراحل کو بھلا بیٹھے، سکوں کی جھنکار میں مست مگن ہوجائے۔

زید و بکر دو بھائی ہیں بچپن میں باپ ملک عدم کو راہی ہوجاتا ہے زید بڑا بھائی ہے اب وہ بکر کے ساتھ بھائی کا حق ادا کر رہا ہے اور ساتھ ہی باپ کا بھی حق نبھا رہا ہے خود محنت مزدوری کرتا ہے گھر کا خرچ چلاتا ہے اور چھوٹے بھائی بکر کو پڑھواتا ہے دل میں ارمان اور آنکھوں میں خواب سجایا ہے کہ چھوٹا بھائی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد کوئی اچھی سروس پاجائے گا تو ہمارے حالات بدل جائیں گے ہمارے گھر کو رونق میسر ہوجائے گی۔

چھوٹے بھائی بکر کو اچھی ملازمت مل گئی بڑی اچھی تنخواہ پانے لگا چلنے کے لیے کار بھی خرید لیا اب اس کو اپنے مکان میں گھٹن ہونے لگی گھر چھوٹا لگنے لگا بڑے بھائی کے ساتھ رہنے میں

بے عزتی محسوس ہونے لگی آخر کار اس نے شہر میں ایک بنگلہ کرایے پر لے لیا بڑے بھائی سے بتائے بغیر اس نئے بنگلہ نما مکان میں رہنے لگا، خود کو بہت اسٹینڈر بننے لگا بڑے بھائی کو اپنا بھائی بتاتے ہوئے شرمانے لگا روزانہ صبح کو کار میں بیٹھتا اور آفس کے لیے چل دیتا اور شام کو کار میں بیٹھتا اور گھر آجاتا اسی طرح کئی سال گزر گئے۔

ایک دن دوپہر بعد ہی یعنی چھٹی ہونے سے پہلے ہی گھر کے لیے چل دیا اور ذہن میں بات آئی کہ ذرا آج پرانے گھر پر بھی ہو لیا جائے اور بھائی سے ملاقات کر لیا جائے دروازے پر دستک دی بڑا بھائی دروازہ کھولتا ہے چھوٹا بھائی بڑے تکبرانہ انداز میں گھر کے اندر داخل ہوتا ہے اور صوفے پر بیٹھتے ہی بڑے بھائی سے کہتا ہے ذرا ایک گلاس پانی لاؤ اتنے میں بڑے بھائی کی بیوی بھی آجاتی ہے اور وہی ایک گلاس پانی بھی لاتی ہے ساتھ کہتی ہے کہ بہت دنوں بعد آئے ہو میں کھانا بناتی ہوں کھاکر جانا۔ چھوٹا بھائی بولتا ہے اس کی ضرورت نہیں میں آپ لوگوں کے گھر کا کھانا نہیں کھا سکتا میں کسی بڑے ہوٹل میں کھالوں گا تمھارے گھر کا کھانا کھاکر مجھے بیمار نہیں ہونا ہے۔ یہ کہتے ہوئے اپنا بیگ اٹھاتا ہے اور چیک بک نکال کر ایک بڑی رقم تحریر کر کے بڑے بھائی کے ہاتھوں میں چیک تھماتے ہوئے کہتا ہے کہ گھٹ گھٹ کر جینے سے کیا فائدہ آج تک پچیس ہزار کی تنخواہ پاتے ہو دیکھو میرے پاس بنگلہ ہے کار ہے تم پچیس ہزار میں صرف خواب دیکھ سکتے ہو یہ چیک پکڑو اور کچھ دنوں تک عیش کرو تب معلوم ہوگا کہ دنیا میں جینے کا حق کس کو ہے میں اب چلتا ہوں۔

ابھی کار میں بیٹھ کر کچھ ہی دور گیا تھا کہ راستے میں چائے پینے کے لیے گاڑی روکی اور چائے پی کر پیسہ دینے کے لیے چھوٹا نوٹ نہیں تھا اور دکان دار کے پاس کھلا پیسہ نہیں تھا سامنے ایک دکان اور نظر آئی اور وہاں سے سگریٹ خریدتا ہے وہاں پر بھی دینے کے لیے کھلے پیسے نہیں دکان دار پوچھتا ہے کہ کیا ہوا بھائی پیسے دو اور آگے بڑھو اور یہ مغرور شخص خاموش ہے دکان دار نے کہا کہ کھلے پیسے نہیں ہیں تو بتاؤ تمہیں کوئی جاننے والا ہے یہاں پر جو تمھاری ضمانت لے سکے اس نے کہا کہ یہاں تھوڑی دور پر فلاں آدمی کو جانتے ہیں تو دکاندار نے کہا کہ ان کو تو پورا علاقہ جانتا ہے تمھارا ان سے کیا تعلق ہے تو یہ شخص جواب دیتا ہے کہ ہیں تو وہ میرے بڑے بھائی مگر میری حیثیت کے آگے ان کی کوئی اوقات نہیں اس لیے مجھے بتانے میں شرم آتی ہے۔

دکان دار نے کہا کہ تمھیں ان کو بڑا بھائی کہتے اور بتاتے ہوئے شرم آتی ہے جب کہ سچائی تو یہ ہے کہ ان کے آگے تمھاری کوئی حیثیت نہیں اور آج تم جو کچھ بھی ہو تو یہ انھی کی دین ہے اور شاید تم ان کا دل دکھاکر آئے ہو اس لیے قدرت نے آج تمھیں اس موڑ پر لاکر کھڑا کر دیا ہے کہ چائے اور سگریٹ کا پیسہ دینے کے لیے تمھارے پاس کھلا پیسہ نہیں۔ اتنے بڑا بھائی بھی آجاتا ہے اور سب کچھ اسے معلوم ہو جاتا ہے اور چھوٹے بھائی نے جو خریدا تھا اس کا پیسہ دیتا ہے اور گھر واپس ہو جاتا ہے جیسے ہی گھر پہنچتا ہے تو پیچھے سے چھوٹا بھائی بھی پہنچتا ہے اور گھر میں داخل ہوتے ہی پوچھتا ہے کہ کچھ کھانے کو ملے گا تو بڑے بھائی کی بیوی بولتی ہے ضرور ملے گا بیٹھئے میں ابھی کھانا لگاتی ہوں تھوڑی دیر میں دسترخوان لگتا ہے اور دونوں بھائی ایک ساتھ کھانا کھاتے ہیں۔ چھوٹا بھائی بولتا ہے بڑے بھائی مجھے معاف کر دیں میں دولت و شہرت حاصل کرنے میں آپ لوگوں کو بھلا دیا میرے اندر گھمنڈ آ گیا لیکن ایک جھٹکے میں میری آنکھوں کی پٹی کھل گئی کہ میں تو آج بھی بڑے بھائی کا محتاج ہوں باپ کے مرنے کے بعد بڑے بھائی نے پڑھایا لکھایا پالا پوسا اور آج سب کچھ ہوتے ہوئے بھی بیچ راستے میں ناشتہ پانی کا پیسہ دینے کے لیے بڑے بھائی کی ہی ضرورت پڑی یہ کہتے ہوئے کھڑا ہوا اور بڑے بھائی کو گلے لگاکر خوب رویا تو بڑے بھائی نے کہا کہ چھوٹے ہم کل تجھ سے جتنا پیار کرتے تھے آج بھی اتنا ہی پیار کرتے ہیں چل تجھے اس بات کا احساس ہو گیا مجھے بے حد خوشی ہے کہ میرا چھوٹا بھائی مجھے مل گیا اور اب کبھی نہ چھوڑنا میرا ساتھ اب ہم ہمیشہ ساتھ ساتھ رہیں گے۔

از: جاوید اختر بھارتی، محمد آباد گوہنہ ضلع مئو یوپی

45ویں امام احمد رضا کانفرنس 2025 کراچی

کرنسی نوٹ کا جواز اور بلا سود بینکاری پر امام احمد رضا سے استفادہ کی ضرورت ہے۔ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا (رجسٹرڈ) کراچی پاکستان نے اپنی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے عالم اسلام کے ممتاز مدبر اور عظیم عاشق رسول ﷺ امام احمد رضا کی علمی و دینی خدمات کو خراج تحسین پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی اسلامی معاشی تعلیمات اور بلا سود بینکاری کے حوالے سے ان کے پیش کردہ نظریات کو عام کرتے ہوئے ”Modern Applications of the Economy Visionory Insights of Imam Ahmed Raza“ کے عنوان سے کراچی میں 45ویں امام احمد رضا کانفرنس 2025ء کا اہتمام کیا۔ اسلامی معاشی تعلیمات، کاغذی کرنسی نوٹ کے استعمال کا جواز اور بلا سود بینکاری کے آسان طریقہ کار پر امام احمد رضا کی کتب ”تدبیر فلاح ونجات و اصلاح“۔ ”کفل الفقیه الفاهم“ وغیرہ نہایت اہمیت کی حامل ہیں، بینک انڈسٹری کو ان سے بھرپور استفادہ کی ضرورت ہے۔ ان خیالات کا اظہار چیئرمین سینیٹ آف پاکستان سید یوسف رضا گیلانی نے بین الاقوامی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی کے زیر اہتمام اپنے موضوع کے اعتبار سے منفرد 45ویں امام احمد رضا کانفرنس 2025 کے نام اپنے تہنیتی پیغام میں کیا۔ اسپیکر قومی اسمبلی سردار محمد ایاز صادق نے اپنے پیغام میں کہا کہ امام احمد رضا کی تصانیف کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ وہ نہ صرف ایک عظیم مجدد اور عظیم عاشق رسول تھے بلکہ ایک ماہر معاشیات بھی تھے۔ اس حوالے سے ان کی ”کفل الفقیه الفاهم“ وغیرہ نہایت اہمیت کی حامل ہیں، ضرورت ہے کہ بینک انڈسٹری ان سے بھرپور استفادہ کرے، ان کے انہی معاشی افکار و نظریات کو عام کرنے پر میں ڈاکٹر مجید اللہ قادری اور ان کی پوری مجلس انتظامیہ کو خراج تحسین پیش کرتا اور امید کرتا ہوں کہ اس سے پاکستان کی معیشت کو روشن رہنما اصول فراہم ہوں گے۔

اپنی نوعت کی یہ منفرد امام احمد رضا کانفرنس 2025 گزشتہ روز فائیو اسٹار ہوٹل P.C کراچی میں پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری کی زیر صدارت منعقد ہوئی، مولانا بشر فاروقی قادری (سربراہ سیلانی ویلفیئر انٹرنیشنل) اور پروفیسر سید بدیع الدین سہروردی (چیئرپرسن اسلامک سپریم کونسل آف کینیڈا) مہمان خصوصی تھے۔ تلاوت قرآن اور نعت رسول ﷺ سے آغاز کے بعد محمد رضا (میزان بینک) نے نظامت کرتے ہوئے کہا کہ آج کی امام احمد رضا کانفرنس 2025 کا موضوع پاکستان کی اسلامی معیشت میں ترقی کے لیے بہت اہمیت کا حامل ہے، سارے معیشت داں و بینکار امام احمد رضا کے افکار و تعلیمات سے رہنمائی لے رہے ہیں۔ مفتی سید زاہد سراج قادری (جنرل سکریٹری ادارہ شریعہ ایڈوائزر یو بینک) نے ابتدائی تعارفی کلمات کے ساتھ مہمانوں کو خوش آمدید کہتے ہوئے کہا کہ گزشتہ برسوں سے پاکستانی معیشت میں جس چیز نے اٹھان لی ہے وہ یہ ہے کہ معیشت کو مکمل طور پر سود سے پاک کیا جائے اور اس سے جڑی تمام برائیوں کو دور کیا جائے مگر یہ آسان کام نہیں، اس زمانے میں امام احمد رضا ہی وہ واحد ہستی ہیں جو قرآن و سنت کی روشنی میں جدید معاشی مسائل کا آسان حل پیش کرتے نظر آتے ہیں اسی لیے ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی 1980 سے ہر سال

مختلف موضوعات پر کانفرنسیں کرتا چلا آرہا ہے،ان دنوں ہمارا موضوع بلا سود بینکاری، تجارت حلال اور سود حرام جیسے مسائل کو افکار امام احمد رضا کی روشنی میں پیش کرنا ہے،کیوں کہ اعلیٰ حضرت نے سن 1905ء میں ہی جدید معاشی مسائل کا آسان حل پیش کر دیا تھا۔ پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری نے خطبہ صدارت میں کہاکہ ہم مختلف موضوعات پر کانفرنسیں کرنے کے بعد اب امام احمد رضا کے معاشی افکار سے دنیا کو متعارف کرانے کی راہ پر گامزن ہیں، معیشت پر ان کی کتاب ''کفل الفقیہ الفاہم'' ایک انقلابی کتاب ہے جسے ادارہ اردو و عربی کے بعد اب انگریزی میں شائع کر رہا ہے اس سے دنیا کے سامنے اسلامی معیشت کے درست خدوخال سامنے آئیں گے،امام احمد رضا نے سو سال قبل ہی اسلامی خدوخال کو تحریری طور پر پیش کر دیا تھا' انھوں نے کہا کہ سرگودھا کی یونی ورسٹی میں امام احمد رضا چیئر قائم ہوگی جہاں سے ان کے معاشی افکار پر ڈاکٹریٹ سطح پر انگریزی میں کام کر کے دنیا بھر میں عام کیا جائے گا جیسے پہلے دنیا بھر کی جامعات میں 70 اسکالر امام احمد رضا پر Ph.D کر چکے،اب ان کے معاشی افکار پر بھی کریں گے۔

مہمان خصوصی مولانا محمد بشیر فاروق قادری نے اپنے خطاب میں ادارہ کے عالمی سطح پر ہونے والے علمی و تحقیقی کاموں کی تعریف کرتے ہوئے کہاکہ معیشت کے حوالے سے امام احمد رضا کانفرنس 2025 کا انعقاد پاکستانی معیشت کو نئے دھارے میں ڈال دے گا جو سود سے پاک ہوگا،انھوں نے کہاکہ وہ کونسا شعبہ ہے جس پر امام احمد رضا نے بات نہیں کی یا اسلامی رہنمائی کے لیے کتاب نہیں لکھی،وہ اتنا لکھ گئے کہ رہتی دنیا تک لوگ استفادہ کرتے رہیں گے، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا سے ان علمی کتب کی اشاعت دیکھ کر بڑی خوشی ہوتی ہے۔ سود حرام اور اللہ و رسول سے جنگ ہے اسے کوئی نہیں جیت سکھتا،امام احمد رضا اس سے بچاؤ کی روشن تدابیر فراہم کرتے ہیں ہمیں ان سے بھر پور استفادہ کرنا چاہیے،امام احمد رضا کے معاشی افکار ہی پاکستانی معیشت کو سود سے پاک دھارے پر ڈال سکتے ہیں...جی

ایم عباسی (ڈائریکٹر اینڈ ریگولیٹری ڈپارٹمنٹ اسٹیٹ بینک آف پاکستان) نے اپنے خطاب میں کہاکہ ربا اور سود کے حوالے سے پابندیاں اپنی جگہ پرانی ہیں مگر ان کا حل دستیاب نہ تھالیکن اب امام احمد رضا کے حیرت انگیز افکار پر مبنی امام احمد رضا کانفرنسوں کے لگاتار انعقاد نے اس سمت نئی سوچ پیدا کر کے ایک انقلاب برپا کر دیا ہے، اسٹیٹ بینک نے ہر فقہ و مسلک کے لوگ رکھے ہیں مگر امام احمد رضا کی تعلیمات و افکار نے پاکستانی میں حلال معیشت کے نئے نئے باب کھول دیے ہیں ... ڈاکٹر محمد ابو بکر صدیق (پروفیسر انٹرنیشنل اسلامک یونی ورسٹی اسلام آباد) نے اپنے مقالہ میں کہاکہ آج جگہ جگہ سے آوازیں آرہی ہیں کہ بلا سود بینکاری ممکن نہیں مگر امام احمد رضا جو بینکاری کے اصول فراہم کرتے ہیں ان میں بلا سود بینکاری کے رہنما اصول موجود ہیں انکی کتاب ''کفل الفقیہ الفاہم'' تاریخ میں اپنے موضوع کی پہلی اور یونیک کتاب ہے جو 1400 سالہ اسلامی تایخ میں کسی نے نہیں لکھی،ان کے فتاویٰ میں کسب،مال، تجارت،بینکاری،سود سے بچاؤ سے متعلق فتاویٰ موجود ہیں...ڈاکٹر مفتی غلام زرقانی (چیئر مین اسلامک مشن، امریکہ) نے آن لائن خطاب میں کہاکہ امام احمد رضا کا کمال یہ ہے کہ قرآن و حدیث کے ذریعے جو نقوش ہم تک پہنچے، انھوں نے اس سمندر میں غوطہ لگا کر انھیں جدید دور کی معاشیات کے حوالے سے ہم آہنگ کر کے ہمارے سامنے رکھ دیا، انھوں نے تو 1912ء میں ہی توجہ دلائی تھی کہ مسلمان اپنا بینک قائم کریں اسی میں مسلمانوں کی فلاح و بہبود ہے۔امام احمد رضا کانفرنس کے دوران تین اہم ترین علمی کتب کی تقریب رونمائی بھی ہوئی (1) امام احمد رضا کی عربی تصنیف ''کفل الفقیہ الفاہم'' کا انگریزی ترجمہ CURRNCY NOTES مترجم ڈاکٹر محمد ابو بکر صدیقی (2) ڈاکٹر مفتی محمد اسلم رضا میمنی تحسینی کا عربی مقالہ ڈاکٹریٹ ''الرخص الشریعۃ'' (3) ڈاکٹر مفتی محمد نعمان کرین کا تحقیقی مقالہ '' اسلامی سیونگ اکاؤنٹ''۔ کانفرنس سے دینی اسکالرز اور ملک و بیرون ملک کے ممتاز مالیاتی اداروں...

(باقی ص:47 پر)

سرگرمیاں

خیر و خبر

علی گڑھ میں تیرہویں سالانہ تعلیم اسلام کانفرنس

علی گڑھ (پریس ریلیز) گزشتہ 13 سالوں سے لگاتار اپنی علمی روایات کے ساتھ کنیڈی آڈیٹوریم علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے جمال پور عیدگاہ سڑک تک کا خوبصورت سفر طے کرنے والا مرکزی جلسہ بنام تعلیم اسلام کانفرنس اپنی شان و شوکت کے ساتھ منعقد کیا گیا اس اجلاس کی سرپرستی گل گلزار برکاتیت حضرت علامہ مولانا الشاہ پروفیسر سید محمد امین میاں قادری برکاتی صاحب قبلہ، سجادہ نشین خانقاہ عالیہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ اور صدارت محبوب العلما شہزادہ حضور امین ملت حضرت علامہ مولانا سید محمد امان میاں قادری برکاتی مصباحی ولی عہد خانقاہ عالیہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ نے فرمائی جب کہ نظامت کے فرائض مولانا سید قیصر خالد فردوسی نئی دہلی نے بحسن و خوبی انجام دیے اس موقع پر ایک طرف جہاں مارہرہ مطہرہ کی خانقاہی خوشبو تھی وہیں خانقاہ اشرفیہ کی جلوہ باری بھی روشنی بکھیر رہی تھی، ایک طرف بدایوں شہر کی نمائندگی اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ تھی تو دوسری طرف بریلی جیسے مرکز عقیدت کی بہار بھی سامعین کو دیکھنے کو ملی حتی کہ علی گڑھ جیسے علاقے میں بہ یک وقت علم و ہنر و اسلامی عقائد و نظریات کے الگ الگ عنوانات لیے ہندوستان بھر سے شہرہ آفاق علما، مشائخ و سادات نے اپنی اپنی شراکت درج کرائی واضح رہے کہ تعلیم اسلام کانفرنس اعظم گڑھ جیسے علمی و کاروباری ضلع کے چھوٹے سے قصبہ مبارک پور سے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے آئے محمد اظہر نور اعظمی نے زمانہ طالب علمی میں شروع کی جس میں پہلے اے ایم یو کے طلبہ و طالبات شرکت کرتے تھے اور اب پورا علی گڑھ بلکہ قرب و جوار کے علاقے سے سامعین شرکت کرتے ہیں۔

اس موقع پر مقرر خصوصی محافظ ناموس رسالت مفتی اشرف جیلانی ازہری فاضل جامعہ ازہر مصر و قاضی شہر بھلواڑہ راجستھان نے اصلاح معاشرہ کے عنوان سے ایمان افروز اصلاحی بیان فرمایا اور کہا کہ ایمان اتنی عظیم دولت ہے کہ پوری دنیا کی دولت بھی اس ایمان کی دولت کے آگے کچھ نہیں ہے دنیا کی ہر زمانہ میں یہ کوشش رہتی ہے کہ آج کی نوجوان نسلوں کو نشہ، زنا اور غلط کاریوں میں اتنا ڈبو دیا جائے کہ جوان اپنی جوانی برباد کر دیں اور اپنے مستقبل کے بارے میں کچھ بھی نہ سوچ سکیں والدین کو یاد دہانی کرائی کہ اپنی اولادوں کے ایمان ان کی دینی تعلیم کو تحفظ فراہم کریں ان کے اوپر مشفقانہ نظر رکھیں ان شاء اللہ معاشرہ تبدیل ہوتا نظر آئے گا۔ آج بظاہر جو چیزیں دیکھنے میں مل رہی ہیں کہ ہم اسلام زبان سے ظاہر کر رہے ہیں جب کہ اسلام زبان سے ظاہر کرنے کی نہیں بلکہ عمل سے ظاہر کرنے کا نام ہے اسلام کو جذباتی نعروں میں نہیں بلکہ اپنی زندگی کے ایام میں شامل کیجیے جب نوجوان ہدایت کے راستے پر رہتے ہیں تو قومیں معزز رہتی ہیں اور جب یہی جوان گناہوں کی دہلیز پر قدم رکھ دیتی ہے تو قومیں رسوا ہو جاتی ہیں اور عزت و احترام کا تاج ان کے سروں سے اتر جاتا ہے۔

دوسرے مقرر شیخ طریقت شہزادہ حضور رئیس الاولیاء علامہ مولانا سید جامی اشرف اشرفی الجیلانی المیرانی کچھوچھہ مقدسہ نے خانقاہ عالیہ برکاتیہ اور خانقاہ اشرفیہ کے آپسی محبت اور پرانے رشتوں کے تعلق سے عوام کو روشناس کرایا اور کہا کہ سلسلہ برکاتیہ سے خانقاہ اشرفیہ کا بڑا پرانا رشتہ ہے یہ ساری خانقاہیں ایک ہی پیغام دیتی ہیں وہ ہے محبت، سلسلہ برکاتیہ سے خانقاہ اشرفیہ کے اشرفی میاں کو خلافت دی گئی اور میرے حقیقی نانا جن جن سے میں خود مرید ہوں انھیں بھی خلافت خانقاہ برکاتیہ سے حاصل ہے آج میں علی گڑھ میں حضور امین ملت سے فیض اور

دعائیں لینے کے لیے حاضر آیا ہوں، سید جامی میاں اشرفی نے چاروں اماموں کو حق بتاتے ہوئے کسی ایک امام کی پیروی کو ضروری کہا اور کہا کہ معاشرے میں آج سدھار کی بڑی سخت ضرورت ہے تمام خانقاہیں، علما، مساجد کے ائمہ اور ہمارے بڑے ہمیشہ یہی پیغام دیتے ہیں کہ ہمیں مل جل کر کے ایک رہنے کی ضرورت ہے اگر ہم ایک ہوں گے تو سرفرازی ہمارے ساتھ ہوگی شراب یا کسی اور طرح کا نشہ، علم کا نہ سیکھنا، والدین کی نافرمانی، بڑوں کا ادب نہ کرنا، چھوٹوں پر شفقت نہ کرنا، ائمہ سے محبت نہ کرنا، علماء کو اپنے سے بڑا نہ سمجھنا یہ تمام گناہ ہیں جو آج معاشرے میں پائے جاتے ہیں ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی اصلاح کریں اور اپنے مستقبل کو جس میں کی ہمارا دین بھی شامل ہے اور ہماری دنیا بھی شامل ہے اسے خوبصورت بنانے کی کوشش کریں۔

جامعہ حسن البرکات مارہرہ شریف کے استاد علامہ مولانا محمد نعمان واحدی احسنی مصباحی نے فکر آخرت جیسے اہم موضوع کو اپنا عنوان بنایا اور کہا کہ توحید و رسالت کے بعد قرآن میں سب سے زیادہ عقیدہ آخرت کے نظریہ پر گفتگو کی گئی ہے قرآن کی کئی سورتوں میں عالم آخرت کو بیان کیا گیا ہے یہ دنیا جس میں ہم اور آپ رہتے ہیں یہ فانی ہے ایک دن سب ختم ہو جانی ہے ہم سب کو لوٹ کر اللہ کے یہاں جانا ہے سورۃ تکاثر میں اس بات کا ذکر ہے کہ انسان کی کیفیت ہے کہ انھیں مال کی زیادہ طلب کی وجہ سے زیادہ طلبی نے انھیں ہلاکت میں ڈال دیا ہے مال کماتے کماتے کب قبر کی منزل تک جانا ہو ہمیں اس بات کا علم نہیں۔ لوگ دنیا میں آتے ہیں چلے جاتے ہیں بعد مرنے کے کیا ہوگا؟ اکثر لوگ اس بارے میں سوچتے بھی نہیں۔ یاد رکھیں! حدیث میں آتا ہے اپنی زندگی کو موت سے پہلے غنیمت سمجھ لو ہر عمل اسی زندگی میں کر لو اس سے پہلے کی موت آئے اور عمل کا سلسلہ منقطع ہو جائے۔ آگے کہا کہ مومن کے دل میں آخرت کی فکر ہونی چاہیے اس کی تیاری ہمیشہ کرتے رہنی چاہیے، ہم مسلمانوں کا یہ عقیدہ اتنا مضبوط ہے کہ ہم نے اس دنیا میں جو کچھ بھی کیا ایک ایک چیز کا حساب دینا ہے اگر ہم اتنا ہی خیال رکھیں تو ہمارے قدم کبھی بھی غلط طرف نہیں جائیں گے۔

مقررین کے علاوہ قاری زبیر رضا بریلوی، حافظ مستقیم رضا بدایونی، میکش رام پوری اور سید فرقان علی قادری نے بارگاہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نذرانۂ محبت پیش کیا۔

سرپرستی فرمارہے حضور تاج المشائخ پروفیسر شاہ الحاج سید محمد امین میاں قادری برکاتی نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کی یہ جلسہ دن دوگنی رات چوگنی ترقی کی منازل پر گامزن ہے، اراکین کمیٹی خصوصیت کے ساتھ محمد اظہر نور اعظمی کے لیے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے حوصلے کو سلامت رکھے اور وہ اسی طرح برکاتی، رضوی اور اشرفی مشن کو آگے بڑھاتے رہیں ساتھ ہی ساتھ تمام ائمہ، علما، اساتذہ، حفاظ اور طلبہ کے لیے بھی دعا فرمائی کہ کسی بھی پروگرام کی کامیابی کے لیے ان لوگوں کا نمایاں کردار ہوتا ہے۔ اس موقع پر محمد اظہر نور اعظمی کی جانب سے تمام مہمانوں کی گل پوشی کی گئی اس کے بعد یادگاری نشان اور شال پیش کر کے استقبال کیا گیا اس موقع پر اہل سنت کانفرنس کے کنوینر شہر الوارث برکاتی کو سنی مشن کو فروغ دینے نیز اہل سنت کانفرنس کے کامیاب انعقاد پر شال اور مومنٹو پیش کیا گیا۔

آخر میں سرپرست حضور تاج المشائخ نے حاضرین کو سلسلہ عالیہ قادریہ میں شامل فرمایا اور پروگرام کے منتظم اعلیٰ محمد اظہر نور اعظمی نے تمام مہمانوں، سامعین، شعرا خاص طور سے محکمہ پولیس وضلع انتظامیہ کا شکریہ ادا کیا کہ اس خوبصورت بزم کو سجانے اور کامیاب بنانے میں معاونت فرمائی۔

اس موقع پر تمام مسجد کے ائمۂ کرام، مدارس اسلامیہ کے اساتذہ کرام، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اساتذۂ البرکات کے ابرتین و بڑی تعداد میں شہر کے معززین نے شرکت فرمائیں۔ صلاۃ و سلام اور ملک کی ترقی امن و آشتی پیار و محبت اور قوم کی ترقی اور جملہ دلی دعاؤں کے ساتھ تعلیم اسلام کانفرنس اگلے سال تک کے لیے ملتوی کر دی گئی۔

■■■

چاندی کا تمغہ پیش کیا گیا

مؤرخہ 23 نومبر 2025ء 51 واں عرس حافظ ملت علیہ الرحمۃ کے موقع پر دینی علمی ادبی ملی سماجی خدمات کے اعتراف میں مندرجہ ذیل مؤقر حضرات کی خدمت میں 1500 سالہ جشن میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب چاندی کا تمغہ پیش کیا گیا۔

1. جانشین حافظ ملت حضور عزیز ملت علامہ شاہ عبد الحفیظ عزیزی مصباحی قبلہ سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی 51 سالہ جامعہ اشرفیہ کی خدمات کے اعتراف میں صفہ تعلیمی بیداری کانفرنس قصبہ کھوکھلی مہراج گنج یوپی میں پیش کیا گیا

2. خیر الاذکیا حضرت علامہ محمد احمد مصباحی ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی علمی و ادبی ملی سماجی خدمات کے اعتراف میں آپ کے قیام گاہ میں پیش کیا گیا۔

3. سراج الفقہاء حضرت علامہ مفتی نظام الدین رضوی مصباحی شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی فقہی و تحقیقی علمی ملی خدمات کے اعتراف میں قصبہ کھوکھلی صفہ انٹر کالج کی بنیاد رکھنے کے بعد چاندی کا تمغہ پیش کیا۔

4. نبیرہ حافظ ملت حضرت علامہ محمد نعیم الدین عزیزی مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی علمی تبلیغی ملی سماجی مسلسل خدمات کے اعتراف میں قصبہ گھوگھلی تعلیمی بیداری کانفرنس میں پیش کیا گیا۔

5. نباض قوم الحاج سرفراز احمد ناظم اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور اشرفیہ کی نظامت کے اعتراف میں پیش کیا گیا۔

مولانا محمد شرف الدین مصباحی آفس انچارج دفتر اشرفیہ ممبئی اور ان کے احباب کی طرف سے چاندی کا سکہ پیش کیا گیا۔

ہبلی میں حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کا قل شریف

یکم جمادی الآخرہ 1447ھ/23 نومبر 2025ء بعد نماز فجر قطب الارشاد ابوالفیض جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرآد ابادی قدس سرہ العزیز کا سالانہ عرس مبارک مسجد امام اعظم ابو حنیفہ نظامی نگر ہبلی کرناٹک میں نہایت تزک و احتشام کے ساتھ منایا گیا جس میں دارالعلوم اہل سنت غوثیہ ومدنی میاں عربک کالج ہبلی کے اساتذہ وطلبہ کے علاوہ ائمۂ مساجد ومحبانِ سنیت نے شرکت کی۔

بعد نماز فجر قرآن خوانی ہوئی اس کے بعد اجلاس ہوا حضرت مولانا محمد نثار احمد مصباحی صدر شعبۂ افتا وقضا شیخ الحدیث مدنی میاں عربی کالج ہبلی نے بزرگان دین و سلف صالحین کے فضائل و مراتب اور خصوصاً حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے زہدو تقویٰ اور نمایاں دینی خدمات پر روشنی ڈالی۔ اخیر میں حضرت مفتی الحاج عبدالحکیم قادری نے اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے بتایا کہ حضور حافظ ملت قبلہ ہندوستان کی مایہ ناز شخصیت تھے ان کی ذات والا صفات پر پوری ملت کو ناز ہے۔ ہند اور بیرون ہند ہزاروں علمائے کرام آپ کے علمی فیضان کی زندہ و جاوید یادگار ہیں۔ حافظ ملت علیہ الرحمہ شہسوار میدان ولایت و شہباز صحرائے طریقت تھے، علم و عمل کے اعتبار سے وہ اپنی مثال آپ تھے، پوری زندگی شریعت خداوندی اور طریقۂ مصطفی پر گزاری، دینی و تعمیری کاموں سے جو شغف تھا اس کا اندازہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی فلک بوس عمارتوں کو دیکھ کر لگایا جا سکتا ہے۔ بعد ازاں مولانا محمد انصار نعیمی دیناج پوری نے بارگاہ رسالت میں صلاۃ والسلام پیش کیا شجرہ طیبہ قرآن پاک کا ایصال ثواب تقسیم شیرینی کا پروگرام عمل میں آیا۔ رب قدیر حافظ ملت کے مرکز انوار کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کے صدقے میں منور فرمائے۔ آمین۔

شہر کے مختلف گھروں میں یادگار عزیزی کے طور پر فاتحہ خوانی ہوئی۔

از: رئیس احمد عزیزی مصباحی ادروی،
ہبلی، کرناٹک

خیابان حرم

نعت

مصطفیٰ کے حسن نے توڑا ہزاروں کا گھمنڈ
خاک میں اس نے ملایا ماہ پاروں کا گھمنڈ
تازگی اپنی دکھا کر لالہ زارِ نعت نے
توڑ ڈالا ہے غزل کے مَرغ زاروں کا گھمنڈ
خامۂ قدرت نے اک ایسا تراشا شاہکار
ماند جس کے روبرو ہے شاہکاروں کا گھمنڈ
جلوۂ حسنِ ازل نے کر دیا ہے چور چور
کائناتِ حسن کے سب گل عذاروں کا گھمنڈ
سبز گنبد کے نظارے نے ملایا خاک میں
بزمِ امکاں کے سبھی دلکش نظاروں کا گھمنڈ
کیف آگیں اپنے جلوؤں کا دکھا کر آئینہ
"طیبہ کے ذرات نے توڑا ستاروں کا گھمنڈ"
سیرتِ اقدس بیاں کیا کر سکے کوئی ادیب
سرخمیدہ ہے جہاں سیرت نگاروں کا گھمنڈ
اے شہِ بطحا اشاروں سے بلا کر اپنے پاس
خاک میں تم نے ملایا شاخساروں کا گھمنڈ
اعتبارِ نسبتِ سلطانِ دیں کے سامنے
ریزہ ریزہ ہو گیا بے اعتباروں کا گھمنڈ
شاہِ بطحا کے غلاموں نے کیا ہے چکنا چور
قیصر و کسریٰ کے جابر تاجداروں کا گھمنڈ
ماہِ تابانِ عرب کے روئے زیبا نے طفیلؔ
توڑ ڈالا ہے فلک کے چاند تاروں کا گھمنڈ

از: مولانا طفیل احمد مصباحی

نعت شریف

مکیں جس میں نہ ہو موجود گھر اچھا نہیں لگتا
نبی کے عشق سے خالی جگر اچھا نہیں لگتا
بسے ہیں جب سے نظروں میں دیار پاک کے ذرے
مری آنکھوں کو تابندہ گہر اچھا نہیں لگتا
نہ ہوتا جلوۂ حسن رخ آقا جو دنیا میں
ہلال اچھا نہیں لگتا قمر اچھا نہیں لگتا
غم ہجر مدینہ کو ہمارا ہم سفر کر دیں
اکیلے زندگانی کا سفر اچھا نہیں لگتا
ترے دیدار کی حسرت کے بن آنکھیں ہیں بے معنی
نہ ہو سودا اگر تیرا تو سر اچھا نہیں لگتا
تمنا ہے یہ عاشق کی بلالیں اپنے کوچے میں
نہ ہو طیبہ اگر پیش نظر اچھا نہیں لگتا
اثرانداز جن پر ہو گئے جلوے ہدایت کے
انھیں رکھ کر الگ کوئی بشر اچھا نہیں لگتا
رخ انور کی نکہت گر نہ ہوتی باغ ہستی میں
تو پھول اچھا نہیں لگتا شجر اچھا نہیں لگتا
بلا اے سرور کونین مجھ کو اپنی چوکھٹ پر
ترے در کے سوا کوئی بھی در اچھا نہیں لگتا
تڑپتا ہے زبیرؔ القادری ہجر مدینہ میں
یہاں کا منتظر شام و سحر اچھا نہیں لگتا

مولانا محمد زبیر القادری مصباحی

زرِ معتبر

یم عشق و محبت کے ہیں گوہر حافظ ملت
سمائے علم پر ہیں مثل اختر حافظ ملت
جہان علم میں انکی چمک مدھم نہیں ہوتی
تراشے تھے کبھی تم نے جو گوہر حافظ ملت
ضیا پھیلا رہے ہیں علم کی اکناف عالم میں
تری چوکھٹ سے نور علم لے کر حافظ ملت
تمنا ہے کہ مل جائے مجھے بھی قطرۂ نیساں
کہ تو ہے علم و حکمت کا سمندر حافظ ملت
سلامی دینے آئے ہیں ترے فرزند روحانی
کھڑے ہیں دست بستہ تیرے در پر حافظ ملت
حفاظت ہو رہی ہے علم دیں کے ہر گلستاں کی
دیے ہیں قوم کو تم نے وہ رہبر حافظ ملت
رضا نے جس کو خون دل سے سینچا اور سنوارا تھا
ہیں اس دینی گلستاں کے گل تر حافظ ملت
وہ پابند شریعت، واقف راز طریقت ہے
ہے تیرا دست شفقت جس کے سر پر حافظ ملت
تکبر اور تصنع سے ترا رشتہ نہیں کوئی
کہ فقر و سادگی ہے تیرا زیور حافظ ملت
نسیم علم دیں سے اب ترو تازہ کریں مجھ کو
چلی ہے ذہن و دل میں باد صرصر حافظ ملت
ہوا ہے منسلک تجھ سے تو اسکی لاج رکھ لینا
نہ رسوا ہو کہیں بھی تیرا اظہرؔ حافظ ملت

نعمان رضا اظہر

R.N.I. No. 29292/76
Regd. No. AZM/N.P.28 2023-25

THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur Azamgarh (U.P.) 276404 (INDIA)

JAN 2026

(Mob. No.) 9450109981 (Mumbai Office) 022-23726122 (Delhi Office) Tel. 011-23268459, Mob.No. 9911198459
www.aljamiatulashrafia.org Email: info@aljamiatulashrafia.org

2026

اشرفیہ کیلنڈر

حاصل کرنے کے لیے

رابطہ کریں:

منیجر ماہ نامہ اشرفیہ

9935162520